بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سورۂ حج

آیاتہا ۷۸ ۲۲ سُوۡرَۃُ الۡحَجِّ مَدَنِیَّۃٌ ۱۰۳ رکوعاتہا ۱۰

یہ سورت مکی ہے، سوائے تین آیات کے، ھٰذٰنِ خَصۡمٰنِ سے لیکر تین مکمل آیات تک؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے کہ یہ چار آیات ہیں۔ عَذَابَ الۡحَرِیۡقِ ﴿۲۲﴾ تک ضحاک اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ بھی قول ہے کہ یہ مدنی سورت ہے، یہ قتادہ کا قول ہے سوائے چار آیات کے۔ وَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِکَ مِنۡ رَّسُوۡلٍ وَّلَا نَبِیٍّ سے لیکر عَذَابُ یَوۡمٍ عَقِیۡمٍ ﴿۵۵﴾ تک یہ آیات مکی ہیں۔ نقاش نے مدینہ طیبہ میں نازل ہونے والی آیات کو دس شمار کیا ہے۔ جمہور نے کہا: یہ سورت ملی جلی ہے کیونکہ اس کی بعض آیات مکی ہیں اور اس کی بعض آیات مدنی ہیں؛ یہ قول اصح ہے کیونکہ آیات اسی کا تقاضا کرتی ہیں کیونکہ یٰۤاَیُّہَا النَّاسُ مکی ہے۔ اور یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا مدنی ہے۔ غزنوی نے کہا یہ عجیب سورتوں میں سے ہے یہ رات اور دن میں، سفر اور حضر میں، مکہ اور مدینہ میں، صلح و جنگ میں نازل ہوئی اس میں ناسخ بھی ہے اور منسوخ بھی ہے۔ محکم آیات بھی ہیں اور متشابہ بھی ہیں تعداد مختلف ہے۔

میں کہتا ہوں: اس کی فضیلت میں وہ روایت آئی ہے جو ترمذی، ابو داؤد اور دار قطنی نے حضرت عقبہ بن عامر سے روایت کی ہے فرمایا میں نے عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! سورۂ حج کو فضیلت دی گئی ہے کہ اس میں دو سجدے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہاں۔ اور جس نے ان کا سجدہ نہیں کیا اس نے اسے نہیں پڑھا" (1)۔ یہ ترمذی کے الفاظ کا ترجمہ ہے اور امام ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث حسن ہے اس کی سند قوی نہیں ہے۔

اہل علم کا اس میں اختلاف ہے حضرت عمر اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے انہوں نے فرمایا: سورۂ حج کو فضیلت دی گئی ہے کہ اس میں دو سجدے ہیں۔ ابن مبارک، امام شافعی، امام احمد اور اسحاق کا یہی قول ہے۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ اس میں ایک سجدہ ہے؛ یہ سفیان ثوری کا قول ہے اور دار قطنی نے حضرت عبد اللہ بن ثعلبہ سے روایت کیا ہے فرمایا: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو میں نے سورۂ حج میں دو سجدے کرتے دیکھا۔ میں نے پوچھا: صبح کی نماز میں؟ فرمایا: صبح کی نماز میں۔

یٰۤاَیُّہَا النَّاسُ اتَّقُوۡا رَبَّکُمۡ ۚ اِنَّ زَلۡزَلَۃَ السَّاعَۃِ شَیۡءٌ عَظِیۡمٌ ﴿۱﴾

"اے لوگو! ڈرو اپنے پروردگار (کی ناراضگی) سے بیشک قیامت کا زلزلہ بڑی سخت چیز ہے"۔

امام ترمذی نے حضرت عمران بن حصین سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر یٰۤاَیُّہَا النَّاسُ سے لے کر وَلٰکِنَّ عَذَابَ اللّٰہِ شَدِیۡدٌ ﴿۲﴾ تک آیات نازل ہوئیں تو آپ سفر میں تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کیا تم جانتے ہو یہ کون سا دن ہے؟"

1۔ ابو داؤد، حدیث 1194

صحابہ نے عرض کی: اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا: ''یہ وہ دن ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت آدم علیہ السلام سے فرمائے گا آگ کا حصہ نکالو۔ حضرت آدم علیہ السلام عرض کریں گے: آگ کا حصہ کتنا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: نو سو ننانوے (999) آگ کی طرف جائیں گے اور ایک جنت کی طرف جائے گا''۔ مسلمان رونے لگ گئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''عمدہ اعمال کے قریب قریب اعمال کرو اور سیدھے اعمال کرو نبوت کبھی نہیں تھی مگر اس سے پہلے زمانہ جاہلیت تھا''۔ فرمایا: ''پہلے تعداد زمانہ جاہلیت سے پوری کی جائے گی اگر مکمل ہو جائے گی تو فبہا ورنہ منافقین سے مکمل کی جائے گی۔ تمہاری اور دوسری امتوں کی مثال اس طرح ہوگی جیسے جانور کے بازوں پر اٹھی ہوئی جگہ ہوتی ہے یا اونٹ کے پہلو میں کوئی علامت ہوتی ہے'' پھر فرمایا: ''میں امید کرتا ہوں تم اہل جنت کا نصف ہو گے''۔ صحابہ کرام نے تکبیر بلند کی۔ راوی فرماتے ہیں: میں نہیں جانتا آپ نے 2/3 کا ذکر کیا یا نہیں۔ امام ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ یہ حسن عن عمران بن حصین سے دوسرے طریق سے روایت کی گئی ہے۔ اس میں ہے: لوگ مایوس ہو گئے حتیٰ کہ انہوں نے اظہار مسرت نہ کیا۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کیفیت دیکھی تو فرمایا: ''اچھے اعمال کرو اور خوش ہو جاؤ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! تم دو ایسی خلقتوں کے ساتھ ہو جو کسی کے ساتھ نہیں ہوتیں مگر اس کو زیادہ کر دیتی ہیں۔ یاجوج وماجوج اور بنی آدم میں سے ابلیس کی اولاد میں سے جو مر چکے ہیں''۔ پس قوم سے پریشانی دور ہوگئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اچھے اعمال کرو اور خوش ہو جاؤ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! تم ان لوگوں میں نہیں ہو گے مگر اونٹ کے پہلو پر ایک نشان کی طرح یا جانور کے بازو میں ابھری ہوئی جگہ کی طرح'' فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے(1)۔ اور صحیح مسلم میں حضرت ابو سعید خدری سے مروی ہے فرمایا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے آدم! وہ عرض کریں گے: لبیک وسعدیک والخیر فی یدیک اللہ تعالیٰ فرمائے گا: آگ کا حصہ نکال۔ حضرت آدم علیہ السلام عرض کریں گے: آگ کا حصہ کتنا ہے؟ فرمایا: ہر ہزار میں سے نو سو ننانوے (999)۔ فرمایا: یہ وہ وقت ہے چھوٹا بوڑھا ہو جائے گا اور ہر حمل والی اپنا حمل گرا دے گی اور تو لوگوں کو نشہ میں مدہوش دیکھے گا وہ نشہ میں مدہوش نہ ہوں گے لیکن اللہ کا عذاب سخت ہوگا۔ فرمایا: لوگوں پر یہ بات بڑی سخت ہوئی۔ انہوں نے عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں وہ ایک شخص کون ہوگا؟ فرمایا: ''تم خوش ہو جاؤ یاجوج وماجوج میں سے ہزار ہوں گے اور تم میں سے ایک شخص ہوگا'' آگے حضرت عمران بن حصین کی حدیث کی طرح حدیث بیان کی۔ ابو جعفر نحاس نے ذکر کیا ہے فرمایا: ہمیں احمد بن محمد بن نافع نے بتایا فرمایا ہمیں سلمہ نے بتایا انہوں نے کہا ہمیں عبدالرزاق نے بتایا فرمایا ہمیں معمر نے بتایا انہوں نے قتادہ سے انہوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرمایا: یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ سے لیکر وَ لٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِیْدٌ ۝ تک آیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تو آپ سفر میں تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلند آواز سے اس آیت کو پڑھا حتیٰ کہ صحابہ کرام آپ کے پاس جمع ہو گئے۔ فرمایا: ''کیا تم جانتے ہو یہ کونسا دن ہے۔ یہ وہ دن ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت آدم علیہ السلام سے فرمائے گا: اے آدم! اٹھو اور دوزخ کا حصہ ہر ہزار میں سے نو سو ننانوے (999)

1۔ جامع ترمذی، باب ومن سورۃ الحج، حدیث 3093

آگ کی طرف نکالو اور ایک جنت میں ہوگا''۔ مسلمانوں نے اس پر نعرۂ تکبیر بلند کیا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''سیدھے راستہ پر چلو اور صحت کے قریب قریب والے اعمال کرو اور خوش ہو جاؤ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے! تم ان لوگوں میں نہیں ہوگے مگر اس علامت (نشانی) کی طرح جو اونٹ کے پہلو میں ہوتی ہے یا گدھے کے بازو میں اٹھی ہوئی جگہ ہوتی ہے اور تمہارے ساتھ دو خلقتیں ایسی ہیں جو کسی چیز کے ساتھ نہیں ہوتیں مگر وہ اس میں اضافہ کرتی ہیں۔ یاجوج وماجوج اور جن وانس میں سے کافر لوگ جو ہلاک ہو چکے ہیں'' (1)۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ اس ندا سے مراد مکلف لوگ ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کے اوامر کو چھوڑنے اور اس کے نواہی سے آگے بڑھنے سے ڈرو۔ الاتقاء سے مراد مکروہ چیز سے بچنا ہے، اس پر گفتگو سورۂ بقرہ میں تفصیلاً گزر چکی ہے، اعادہ کی ضرورت نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اس کی سزا سے بچنے کے لیے اس کی طاعت کا احترام کرو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ۝ ، الزلزلۃ کا معنی ہے شدید حرکت کرنا اسی سے ہے وَ زُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ (البقرہ: 214) اس کلمہ کا اصل معنی ہے کسی کا اپنی جگہ سے ہٹ جانا اور حرکت کرنا۔ زلزل اللہ قدمہ اللہ تعالیٰ نے اس کے پاؤں کو حرکت دی۔ یہ لفظ کسی چیز سے ڈرانے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس سے مراد معروف زلزلہ ہے جو قیامت کی ان شرائط میں سے ہے جو قیامت سے پہلے دنیا میں ہوں گی؛ یہ جمہور کا قول ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ زلزلہ پندرہ رمضان کو آئے گا اس کے بعد سورج مغرب سے طلوع ہوگا۔

يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّآ اَرْضَعَتْ وَ تَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَ تَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَ مَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَ لٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ۝

''جس روز تم اس (کی ہولناکیوں) کو دیکھو گے تو غافل ہو جائے گی ہر دودھ پلانے والی (ماں) اس (لخت جگر) سے جس کو اس نے دودھ پلایا اور گرا دے گی ہر حاملہ اپنے حمل کو اور تجھے نظر آئیں گے لوگ جیسے وہ نشہ میں مست ہوں حالانکہ وہ نشہ میں مست نہیں ہوں گے بلکہ عذاب الٰہی سخت ہوگا (وہ اس کی ہیبت سے حواس باختہ ہونگے)''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يَوْمَ تَرَوْنَهَا، ھا ضمیر کا مرجع جمہور کے نزدیک الزلزلۃ ہے۔ اس کی تائید یہ ارشاد الٰہی بھی کرتا ہے: تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّآ اَرْضَعَتْ وَ تَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا، رضاع اور حمل دنیا میں ہے۔ ایک فرقہ نے کہا: لزلزلۃ قیامت کے دن آئے گا اور ان علماء نے حضرت عمران بن حصین کی حدیث سے استدلال کیا ہے جو ہم نے ابھی ذکر کی ہے۔ اس حدیث میں ہے: ''کیا تم جانتے ہو وہ دن کون سا ہے''۔ اور حضرت ابوسعید کی حدیث جو امام مسلم نے روایت کی ہے اس کا سیاق بھی اسی کا تقاضا کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تَذْهَلُ کا معنی ہے مشغول ہو جانا؛ یہ قطرب کا قول ہے:

ضَرْبًا يُزِيلُ الهامَ عن مَقِيلِهِ ويُذْهِلُ الخَلِيلَ عن خَلِيلِهِ

1۔ تفسیر طبری زیر آیت ہذہ

بعض نے فرمایا: اس کا معنی بولنا ہے۔ بعض نے کہا: غافل ہو جانا ہے۔ بعض نے کہا: بھول جانا ہے۔ یہ تمام معانی قریب قریب ہیں۔ عَمَّآ اَرْضَعَتْ مبرد نے کہا: اس میں ما مصدریہ ہے یعنی وہ دودھ پلانے سے بھول جائے گی۔ فرمایا: یہ دلیل ہے کہ یہ زلزلہ دنیا میں ہوگا کیونکہ دوبارہ اٹھنے کے بعد تو نہ حمل ہوگا اور نہ دودھ پلانا ہوگا۔ مگر یہ کہا جا سکتا ہے کہ جو حاملہ مر جائے گی وہ حاملہ ہی اٹھائی جائے گی پس وہ ہولناکی کی وجہ سے اپنا حمل گرا دے گی اور جو دودھ پلاتے ہوئے مر جائے گی وہ اسی طرح اٹھائی جائے گی۔ کہا جاتا ہے کہ یہ اس طرح ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یَّوْمًا یَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِیْبَا ﴿۱۷﴾ (المزمل) جس دن بچے بوڑھے ہو جائیں گے۔ بعض نے کہا: یہ پہلے صور کو پھونکنے کے وقت ہوگا۔ بعض نے کہا: قیامت کے قیام کے ساتھ ہوگا حتی کہ دوسرے صور کے پھونکنے کے ساتھ لوگ اپنی قبور سے حرکت کریں گے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ آیت میں زلزلہ سے مراد قیامت کے دن کی ہولناکیوں کو بیان کرنا ہو جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا (البقرہ: 214) اور اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللّٰھم اھزمھم وزلزلھم(1) اے اللہ! ان کفار کو شکست دے اور ان کے پاؤں اکھیڑ دے۔ قیامت کے دن کی ہولناکیوں کو بیان کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ نیک اعمال کے ساتھ لوگ اس کے لیے اپنے آپ کو تیار کریں۔ زلزلہ کو شیٔ عظیم کہنا یا تو اس لیے ہے کہ اس کا وقوع یقینی ہے اسی وجہ سے معدوم چیز کو شی کہنا بھی آسان ہے، کیونکہ یقین، موجودات کے مشابہ ہوتا ہے یا مآل اور انجام کے اعتبار سے ہے یعنی یہ جب واقع ہوگا تو عظیم شی ہو گا۔ گویا اب اسم کا اطلاق نہیں کیا بلکہ اس کا معنی ہے جب یہ ہوگا تو عظیم شی ہوگا اسی کی وجہ سے دودھ پلانے والیاں اپنے بچوں سے غافل ہو جائیں گے اور لوگ نشہ میں مست نظر آئیں گے جیسا کہ فرمایا: وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى یعنی اس کی ہولناکی کی وجہ سے اور جو انہیں خوف اور گھبراہٹ لاحق ہوگی اس کی وجہ سے نشہ میں مست نظر آئیں گے۔ وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى حالانکہ وہ شراب کے نشہ میں نہیں۔ اہل معانی نے کہا: تو لوگوں کو دیکھے گا گویا کہ وہ نشہ میں مست ہیں۔ اس پر دلیل ابی زرعہ ہرم بن عمرو بن جریر بن عبد اللہ کی قرأت وتُری الناس تا کے ضمہ کے ساتھ ہے یعنی تجھے خیال گزرے گا۔ حمزہ اور کسائی نے سکریٰ بغیر الف کے پڑھا ہے۔ باقیوں نے سکاریٰ الف کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ دونوں لغات ہیں یہ سکران کی جمع ہے جیسے کسلیٰ و کسالیٰ، الزلزلۃ کا معنی سختی سے حرکت دینا ہے۔ الذھول کا معنی غم، ھم اور تکلیف وغیرہ کے لاحق ہونے کی وجہ سے کسی چیز سے غافل ہو جانا ہے۔ ابن زید نے کہا: عورت اس تکلیف کی وجہ سے اپنے بچے کو چھوڑ دے گی جو اس پر نازل ہوگی۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ ﴿۳﴾ كُتِبَ عَلَيْهِ اَنَّهٗ مَنْ تَوَلَّاهُ فَاَنَّهٗ يُضِلُّهٗ وَيَهْدِيْهِ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ﴿۴﴾

"اور بعض ایسے لوگ ہیں جو جھگڑتے ہیں اللہ تعالیٰ کے بارے میں علم کے بغیر اور پیروی کرتے ہیں ہر سرکش شیطان کی۔ جس کے مقدر میں لکھا جا چکا ہے کہ جو اس کو دوست بنائے گا تو وہ اسے گمراہ کر کے رہے گا اور راہ

1۔ مسند امام احمد، حدیث نمبر 19107

دکھائے گا اسے بھڑکتی ہوئی آگ کے عذاب کی طرف''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ اس سے مراد نضر بن حارث جو کہتا تھا کہ اللہ تعالیٰ اسے زندہ کرنے پر قادر نہیں جو بوسیدہ ہو چکا ہے اور مٹی بن چکا ہے۔ وَّيَتَّبِعُ اس کے قول میں كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ ۙ یعنی ہر سرکش شیطان۔ كُتِبَ عَلَيْهِ اَنَّهٗ مَنْ تَوَلَّاهُ قتادہ اور مجاہد نے کہا: جو شیطان کو دوست بناتا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّ غَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ ۗ وَ نُقِرُّ فِي الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْۤا اَشُدَّكُمْ ۚ وَ مِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى وَ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰۤى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْـًٔا ؕ وَ تَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً فَاِذَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَ رَبَتْ وَ اَنْۢبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍۭ بَهِيْجٍ ۝

''اے لوگو! اگر تمہیں کچھ شک ہو (روز محشر) جی اٹھنے میں تو (ذرا اس امر میں غور کرو کہ) ہم نے ہی پیدا کیا تھا تمہیں مٹی سے پھر نطفہ سے پھر خون کے لوتھڑے سے پھر گوشت کے ٹکڑے سے بعض کی تخلیق مکمل ہوتی ہے اور بعض کی نامکمل تاکہ ہم ظاہر فرمادیں تمہارے لیے (اپنی قدرت کا کمال) اور ہم قرار بخشتے ہیں رحموں میں جسے ہم چاہتے ہیں ایک مقررہ میعاد تک پھر ہم نکالتے ہیں تمہیں بچہ بنا کر پھر (پرورش کرتے ہیں تمہاری) تاکہ تم پہنچ جاؤ اپنے شباب کو اور تم میں سے کچھ (پہلے) فوت ہو جاتے ہیں اور تم میں سے بعض کو پہنچا دیا جاتا ہے نکمی عمر تک تاکہ وہ کچھ نہ جانے ہر چیز کو جاننے کے بعد، اور تو دیکھتا ہے کہ زمین خشک پڑی ہے پھر جب ہم اتارتے ہیں اس پر (بارش کا) پانی تو وہ تروتازہ ہو جاتی ہے اور پھولتی ہے اور اگاتی ہے ہر خوشنما جوڑے کو''۔

مسئلہ نمبر 1: اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ یہ پہلی دفعہ آغاز کرنے کے ساتھ حجت پکڑی جارہی ہے۔ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ، یہ توقیف کو متضمن ہے۔ حسن بن ابی حسن نے البعث عین کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ بصریوں کے نزدیک بعث میں یہ لغت بھی ہے اور یہ کوفیوں کے نزدیک تخفیف کے ساتھ بَعَث ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اے لوگو! اگر تمہیں دوبارہ اٹھائے جانے میں شک ہے۔ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ یعنی ہم نے تمہارے باپ کو، جو بشر کی اصل ہے، آدم کو پیدا کیا۔ مِّنْ تُرَابٍ مٹی سے ثُمَّ ہم نے ان کی اولاد کو پیدا کیا مِنْ نُّطْفَةٍ منی سے۔ اس کو نطفہ کہا جاتا ہے اس کی قلت کی وجہ سے۔ وہ تھوڑا سا پانی ہے کبھی کثیر پانی پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے، اسی سے حدیث میں ہے۔ حتی یسیر الراکب بین النطفتین لایخشی جوراً (1) یعنی سوار بحر مشرق اور بحر مغرب کے درمیان چلے گا اور اسے ظلم کا خوف نہ ہوگا۔ النطف کا معنی ٹپکنا ہے۔ نَطَف يَنطِف وينطُف ٹپکنا۔

1۔ الفائق زمخشری، جلد 2، صفحہ 442

لیلة نطوفة اس رات کو کہتے ہیں جس میں متواتر بارش برتی رہے۔ ثُمَّ مِنۡ عَلَقَةٍ جامد خون العلق ترتے ہوئے خون کو کہتے ہیں۔ بعض نے کہا: شدید سرخ رنگ کے خون کو کہتے ہیں۔ ثُمَّ مِنۡ مُّضۡغَةٍ مضغۃ اس تھوڑی مقدار کے گوشت کو کہتے ہیں جو چبایا جاتا ہے، اسی سے حدیث ہے: الاوان فی الجسد مضغة، (1) خبردار! جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے۔ یہ چار مہینے کی مختلف کیفیات ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: چار ماہ دس دن بعد اس میں روح پھونکی جاتی ہے؛ اسی وجہ سے وہ عورت جس کا خاوند فوت ہو جائے اس کی عدت چار ماہ دس دن رکھی گئی ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ یحییٰ بن زکریاء بن ابی زائدہ نے روایت کیا ہے انہوں نے کہا ہمیں داؤد نے بتایا انہوں نے عامر سے انہوں نے علقمہ سے انہوں نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نطفہ جب رحم مادر میں قرار پاتا ہے تو ایک فرشتہ اسے اپنی ہتھیلی میں لیتا ہے اور عرض کرتا ہے: یا رب! مذکر یا مونث، شقی یا سعادت مند، اس کی مدت اور اثر کیا ہے کس زمین میں مرے گا؟ اسے کہا جاتا ہے: تو ام الکتاب کی طرف جا اس میں تجھے اس نطفہ کا قصہ مل جائے گا۔ وہ فرشتہ ام الکتاب (لوح محفوظ) کی طرف جاتا ہے تو وہاں اس کا قصہ پالیتا ہے پھر وہ نطفہ انسان بنایا جاتا ہے وہ اپنا تقدیر میں لکھا ہوا رزق کھاتا ہے اپنے اثر کو روندتا ہے جب مدت عمر پوری ہوتی ہے تو اس کی روح قبض کی جاتی ہے اور اسے اس مکان میں دفن کیا جاتا ہے جو اس کے لیے مقرر کیا گیا تھا پھر عامر نے یہ آیت پڑھی: يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنۡ كُنۡتُمۡ فِىۡ رَيۡبٍ مِّنَ الۡبَعۡثِ فَاِنَّا خَلَقۡنٰكُمۡ مِّنۡ تُرَابٍ۔

صحیح میں حضرت انس بن مالک سے روایت مروی ہے انہوں نے حدیث مرفوع ذکر کی ہے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ رحم پر ایک فرشتہ مقرر فرماتا ہے وہ کہتا ہے: اے میرے رب! یہ نطفہ ہے، اے میرے رب! اب یہ علقہ ہے، اے میرے رب! اب یہ مضغہ ہے۔ جب اللہ تعالیٰ اسے مکمل تخلیق کرنے کا ارادہ فرماتا ہے۔ فرمایا: فرشتہ کہتا ہے: یا رب! مذکر یا مونث، شقی یا سعید، اس کا رزق کیا ہے اس کی عمر کیا ہے؟ پس یہ سب کچھ ماں کے پیٹ میں ہوتے ہوئے لکھا جاتا ہے'' (2)۔ صحیح میں حضرت حذیفہ بن اسید غفاری سے مروی ہے فرمایا: میں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ''جب نطفہ پر بیالیس راتیں گزرتی ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف ایک فرشتہ بھیجتا ہے وہ اس کی تصویر بناتا ہے اس کے کان، اس کی آنکھیں اس کی جلد، اس کا گوشت اور اس کی ہڈیاں بناتا ہے پھر فرشتہ عرض کرتا ہے: اے میرے رب! مذکر یا مونث'' الحدیث۔ صحیح میں حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے فرمایا ہمیں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا آپ سچے بھی ہیں اور آپ سے سچ کہا گیا ہے کہ ''تم میں سے ہر ایک کی پیدائش اس کی ماں کے پیٹ میں چالیس دن کے مرحلہ سے ہوتی ہے، پھر چالیس دن وہ جامد خون کی حیثیت سے رہتا ہے پھر چالیس دن گوشت کے لوتھڑے کی شکل میں رہتا ہے پھر ایک فرشتہ بھیجا جاتا ہے وہ اس میں روح پھونکتا ہے اسے چار چیزیں لکھنے کا حکم دیا جاتا ہے، رزق، عمر، شقی یا سعادت مند ہونا'' (الحدیث) یہ حدیث پہلی احادیث کی تفسیر کرتی

1۔ مشکوۃ المصابیح، کتاب البیوع باب الکسب و طلب الحلال، صفحہ 241، مطبوعہ وزارت تعلیم

2۔ مسند امام احمد بن حنبل، حدیث نمبر 12157

ہے کیونکہ اس میں ہے کہ "تم میں ہر ایک کی تخلیق کو ماں کے پیٹ میں چالیس دن نطفہ کی شکل میں جمع کیا جاتا ہے پھر چالیس دن جامد خون کی حیثیت سے رہتا ہے پھر چالیس دن گوشت کی حیثیت سے رہتا ہے پھر فرشتہ بھیجا جاتا ہے وہ اس میں روح پھونکتا ہے یہ چار ماہ بنتے ہیں اور دس دنوں میں فرشتہ روح پھونکتا ہے اور یہی اس عورت کی عدت ہے جس کا خاوند فوت ہوجاتا ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے۔ حدیث کے الفاظ: ان احدکم یجمع خلقہ فی بطن امہ، یعنی تم میں سے کسی کی تخلیق کو اس کی ماں کے پیٹ میں جمع کیا جاتا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کی تفسیر بیان کی۔ اعمش سے پوچھا گیا: ماں کے پیٹ میں جمع کیے جانے کا کیا مطلب ہے انہوں نے کہا ہمیں خیثمہ نے بتایا فرمایا: عبداللہ بن مسعود نے فرمایا جب رحم میں نطفہ گرتا ہے پھر اللہ تعالیٰ اس سے انسان تخلیق کرنے کا ارادہ فرماتا ہے تو وہ عورت کے جسم میں ہر ناخن اور ہر بال کے نیچے اتر جاتا ہے پھر چالیس دن اسی طرح ٹھہرا رہتا ہے پھر وہ رحم میں خون بن جاتا ہے، یہ اس کا جمع کرنا ہے یہ اس کا جامد خون ہونے کا وقت ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ تخلیق کرنے اور تصویر بنانے کی نسبت فرشتے کی طرف مجازی ہے حقیقی نہیں کیونکہ جو کچھ مضغہ میں تصویر و تشکیل کا فعل صادر ہوا اللہ تعالیٰ کی قدرت اور تخلیق و اختراع کے ساتھ تھا۔ کیا آپ نے ملاحظہ نہیں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حقیقی خلقت کی نسبت اپنی طرف کی اور تمام مخلوق سے نسبت ختم کردی فرمایا: وَ لَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ (الاعراف: 11) پھر فرمایا: وَ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِیْنٍ ۚ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِیْ قَرَارٍ مَّكِیْنٍ ۞ (المومنون) پھر فرمایا: یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ (الحج: 5) پھر فرمایا: هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّ مِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ (التغابن: 2) پھر فرمایا: وَ صَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ (المومن: 62) پھر فرمایا: لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْۤ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ۞ (التین) پھر فرمایا: خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۞ (العلق)

اس کے علاوہ بھی بہت سی آیات ہیں جو قطعی دلائل ہیں کہ مخلوق میں سے کسی چیز کا خالق رب العالمین کے علاوہ کوئی نہیں ہے اسی طرح کہا جائے گا اس قول میں بھی: ثم یرسل الملك فینفخ فیه الروح پھر فرشتہ بھیجا جاتا ہے اور وہ اس میں روح پھونکتا ہے، یعنی اس میں اللہ تعالیٰ کے روح اور حیات پیدا کرنے کا سبب پھونکتا ہے۔ اسی طرح تمام اسباب عادیہ میں کہا جائے گا کیونکہ سب کچھ اللہ کے پیدا کرنے سے پیدا ہوتا ہے۔ اس اصل پر غور کرو اور اس کو مضبوطی سے پکڑو۔ اس میں گمراہ ٹولہ طبعیین وغیرہم کے مذاہب سے نجات ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ علماء کا اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ روح ایک سو بیس دن کے بعد پھونکی جاتی ہے یہ چار مہینے مکمل ہوجاتے ہیں اور پانچویں کا آغاز ہوتا ہے، جیسا کہ ہم نے احادیث کے ذریعے بیان کیا جھگڑے کے وقت بچے کو لاحق کرنے کے احکام میں جس وقت کی ضرورت ہوتی ہے وہ اس پر اعتماد ہے اور طلاق والی عورتوں کے نفقات کے وجوب میں بھی اسی مدت پر اعتماد ہے۔ یہ مدت اس لیے رکھی گئی ہے کیونکہ اس مدت میں بچے کی پیٹ میں حرکت یقینی ہوجاتی ہے۔ بعض علماء نے کہا: عورت کی عدت جس کا خاوند فوت ہوچکا ہو چار ماہ دس دن رکھنے میں یہی حکمت ہے پانچویں مہینے میں دخول کے وقت رحم

کی برأت ثابت ہو جاتی ہے جب حمل ظاہر نہ ہو۔

مسئلہ نمبر 5۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مُّخَلَّقَةٍ وَّ غَيْرِ مُخَلَّقَةٍ فراء نے کہا: مُّخَلَّقَةٍ سے مراد جس کی تخلیق مکمل ہو اور غَيْرِ مُخَلَّقَةٍ سے مراد وہ بچہ جس کی تخلیق مکمل نہ ہو۔ ابن اعرابی نے کہا: مُّخَلَّقَةٍ جس کی خلقت ظاہر ہوگئی اور غَيْرِ مُخَلَّقَةٍ جس کی ابھی تصویر نہ بنائی گئی ہو۔ ابن زید نے کہا: مُّخَلَّقَةٍ وہ ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے سر، ہاتھ اور ٹانگیں بنا دیں ہوں اور غَيْرِ مُخَلَّقَةٍ سے مراد وہ ہے جس کی ابھی کوئی چیز نہ بنی ہو۔ ابن عربی نے کہا: جب ہم اشتقاق کی اصل کی طرف لوٹتے ہیں تو نطفہ، علقہ اور مضغہ سب مخلقة ہیں کیونکہ یہ تمام اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں اور اگر ہم اس تصویر کی طرف رجوع کرتے ہیں جو خلقة کی انتہا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ (المومنون: 14) تو پھر اس طرح ہوتا ہے جس طرح ابن زید نے کہا ہے۔

میں کہتا ہوں: التخليق، الخلق سے ہے۔ اس میں کثرت کا معنی پایا جاتا ہے۔ پس جس پر بہت اطوار متواتر گزرتے ہیں تو وہ ایک خلق کے بعد دوسری خلق ہوئی جب وہ نطفہ تھا تو بھی مخلوق تھا اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ (المومنون: 14) بعض علماء نے فرمایا: مُّخَلَّقَةٍ وَّ غَيْرِ مُخَلَّقَةٍ یہ مکمل بچہ کی طرف لوٹتا ہے نہ کہ کچے بچہ کی طرف یعنی کچھ بچے ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ جن کو گوشت کے لوتھڑے سے مکمل کرتا ہے اور اس کے لیے تمام اعضاء بناتا ہے، بعض وہ ہوتے ہیں جو ناقص اور غیر تام ہوتے ہیں۔ بعض نے کہا: مُّخَلَّقَةٍ وہ ہوتا ہے جس کو عورت وقت مکمل کر کے جنم دیتی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مُّخَلَّقَةٍ وہ ہوتا ہے جو زندہ ہوتا ہے اور غَيْرِ مُخَلَّقَةٍ وہ ہوتا ہے جو وقت سے پہلے گر جاتا ہے۔ شاعر نے کہا:

أفي غير المخلقة البكاءُ فأينَ الحزم ويحك والحياء

مسئلہ نمبر 6۔ علماء کا اجماع ہے کہ لونڈی جو بچہ جنم دیتی ہے جس کی تخلیق مکمل ہوئی ہے تو وہ ام الولد ہوتی ہے۔ امام مالک اور امام اوزاعی کے نزدیک مضغة کو گرانے سے بھی ام الولد بن جاتی ہے، خواہ اس کی تخلیق مکمل ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔ امام مالک نے فرمایا: جب یہ معلوم ہو جائے کہ وہ مضغة تھا۔ امام شافعی اور امام ابوحنیفہ نے کہا: اگر اس کے لیے کچھ ظاہر ہو چکا ہو جو بنی آدم کی تخلیق سے ہوتا ہے، مثلاً انگلی یا آنکھ یا اس کے علاوہ کوئی اعضاء تو وہ اس کی ام الولد ہوگی۔ اور اس پر بھی اجماع ہے کہ بچہ جب آواز نکالے گا تو اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور اس نے آواز نہ نکالی تو امام مالک، امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کے نزدیک اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔ یہ ابن مسیب، سیرین وغیرہما کا قول ہے۔ مغیرہ بن شعبہ سے مروی ہے کہ وہ ادھورے بچے پر بھی نماز جنازہ پڑھنے کا حکم دیتے تھے وہ فرماتے تھے: اس کا نام بھی رکھو، غسل بھی دو، اسے کفن بھی دو اور خوشبو بھی لگاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے اسلام کی وجہ سے تمہارے بڑے اور چھوٹے کو عزت دی ہے اور وہ یہ آیت پڑھتے تھے: فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّ غَيْرِ مُخَلَّقَةٍ۔ ابن عربی نے کہا: شاید مغیرہ بن شعبہ نے السقط سے مراد وہ لیا ہو جس کی خلقت ظاہر ہو چکی ہو۔ پس اس کا نام رکھا جائے گا اور جس کی خلقت ظاہر نہ ہو اس کے لیے کوئی وجود نہیں۔ بعض سلف نے کہا:

جب اس میں روح پھونکی گئی ہو اور اس کے لیے چار مہینے مکمل ہو چکے ہوں تو اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔ ابوداؤد نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب بچہ چیخے (آواز نکالے) تو وہ وارث ہوگا''، الاستھلال کا معنی آواز کو بلند کرنا ہے۔ ہر بچہ جو چیخ نکالے یا حرکت کرے یا چھینک مارے یا سانس لے تو اس کو وارث بنایا جائے گا کیونکہ اس میں زندگی کی دلالت ہے۔ سفیان ثوری، امام اوزاعی اور امام شافعی کا یہی نظریہ ہے۔ خطابی نے کہا: اصحاب الرائے کا قول بہتر ہے۔ امام مالک نے کہا: اس کے لیے میراث نہ ہوگی اگرچہ حرکت کرے یا چھینک مارے جب تک کہ وہ آواز نہ نکالے؛ محمد بن سیرین، شعبی، زہری اور قتادہ سے یہی مروی ہے۔

مسئلہ نمبر 7۔ امام مالک نے فرمایا: عورت، مضغۃ یا علقۃ یا جس کے بارے میں معلوم ہو جائے کہ وہ بچہ تھا وہ گرا دے جب اسے پیٹ پر ضرب لگائی جائے تو اس میں غرہ ہے، یعنی غلام یا لونڈی ہے۔ امام شافعی نے فرمایا: اس میں کوئی چیز نہیں ہے حتی کہ اس کی تخلیق میں سے کوئی چیز واضح نہ ہو جائے۔ امام مالک نے فرمایا: جنین (پیٹ کا بچہ) جب گر جائے اور وہ چیخا نہ ہو تو اس میں غلام یا لونڈی ہے خواہ اس نے حرکت کی ہو یا چھینک ماری ہو ہمیشہ اس میں غلام یا لونڈی ہوگی حتی کہ وہ بلند آواز سے چیخے گا تو اس میں مکمل دیت ہوگی۔ امام شافعی اور تمام فقہاء نے کہا: جب حرکت یا چھینک یا آواز یا اس کے علاوہ کوئی علامت ہو جس سے اس کی زندگی کا یقین ہو تو اس میں دیت ہوگی۔

مسئلہ نمبر 8۔ قاضی اسماعیل نے ذکر کیا ہے کہ عورت کی عدت، گرنے والے بچے سے مکمل ہو جائے گی، اس پر حجت پکڑی گئی ہے کہ وہ حمل ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ یَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ (الطلاق: 4)

قاضی اسماعیل نے کہا: اس پر دلیل یہ ہے کہ وہ اپنے باپ کا وارث ہوتا ہے اور اس کے وجود کے خلق ہونے اور اس کے ولد اور حمل ہونے پر دلیل ہے۔ ابن عربی نے کہا: ان احکام میں سے کوئی بھی اس پر مرتب نہ ہوگا حتی کہ وہ تام الخلق ہو۔

میں کہتا ہوں: اشتقاق میں سے جو ہم نے ذکر کیا ہے اور جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ذکر کیا ہے کہ تم میں سے ہر ایک کی تخلیق کو ماں کے پیٹ میں جمع کیا جاتا ہے یہ ہمارے قول کی صحت پر دلالت کرتا ہے نیز علقہ اور مضغۃ کو گرانے والی پر تصدیق کی جاتی ہے کہ وہ حاملہ تھی، اس نے اسے گرا دیا جو کچھ اس کے رحم میں قرار پذیر تھا۔ پس یہ ارشاد اس عورت کو بھی شامل ہے۔ وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ یَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ (الطلاق: 4) حمل والیوں کی مدت (عدت) انکا حمل کو گرانا ہے۔ اس نے نطفہ سے جو بچے کا آغاز ہوا تھا اسے گرا دیا جبکہ وہ متجسد تھا مخطط کی طرح اور یہ واضح ہے۔

مسئلہ نمبر 9۔ ابن ماجہ نے روایت کیا ہے ہمیں ابوبکر بن ابی شیبہ نے بیان کیا انہوں نے کہا ہمیں خالد بن مخلد نے بیان کیا انہوں نے کہا ہمیں یزید نے بیان کیا انہوں نے عبد الملک نوفلی سے انہوں نے یزید بن رومان سے انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سقط (کچا گرنے والا بچہ) میں اسے اپنے آگے بھیجوں یہ مجھے اس شہسوار سے زیادہ پسند ہے جسے میں پیچھے چھوڑ دوں'' (1)۔ اس ارشاد کو حاکم نے معرفۃ علوم الحدیث میں سہل بن ابی

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الجنائز، باب ما جاء فی من اصیب بسقط، حدیث 1595

صالح سے انہوں نے اپنے باپ سے انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرمایا: ''ہزار شہسواروں سے زیادہ محبوب ہے جن کو میں پیچھے چھوڑوں''(1)۔

مسئلہ نمبر 10 ۔ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ تا کہ ہم تمہاری تخلیق کے اطوار میں تصرف کرنے کے ساتھ اپنے کمال قدرت کو واضح کریں۔ وَنُقِرُّ فِي الْاَرْحَامِ، نُقِرُّ اور نُخْرِجُ کو نصب کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ ابو حاتم نے ابو یزید سے انہوں نے مفضل سے انہوں نے عاصم سے یہ روایت کیا ہے فرمایا ابو حاتم نے فرمایا: نصب عطف کی بنا پر ہے۔ زجاج نے کہا: نقر پر صرف رفع ہے کیونکہ اس کا یہ معنی نہیں ہم نے یہ کہا تا کہ ٹھہرائیں رحموں میں جو ہم چاہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدا فرمایا تا کہ وہ ان کی رشد و صلاح پر راہنمائی کریں۔ بعض نے فرمایا: اس کا معنی ہے تا کہ ہم ان کے لیے دوبارہ اٹھانے کا امر واضح کریں پس یہ دو کلاموں کے درمیان جملہ معترضہ ہوگا۔ ایک جماعت نے رفع کے ساتھ نقر پڑھا ہے اس کا معنی ہے نحن نُقِرُّ؛ یہ جمہور کی قرأت ہے۔ یقر اور یخرجکم یاء کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ اور اس پر رفع جائز ہے۔ ابن وثاب نے مَا نِشَآءُ نون کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اَجَلٍ مُّسَمًّى (مقررہ میعاد) ہر جنین کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہے بعض پہلے گر جاتے ہیں بعض کی تخلیق مکمل ہوتی ہے اور وہ زندہ پیدا ہوتا ہے۔ فرمایا: مَا نَشَآءُ، مَنْ نشاء نہیں فرمایا، کیونکہ اس کا مرجع حمل ہے یعنی ہم ارحام میں ٹھہراتے ہیں حمل میں سے اور مضغہ میں سے۔ چونکہ یہ جماد ہیں اس لیے انہیں لفظ ما سے تعبیر فرمایا۔

مسئلہ نمبر 11 ۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا، یعنی اطفالاً، طفلاً اسم جنس ہے نیز عرب کبھی جمع کو واحد کے اسم سے بیان کرتے ہیں۔ شاعر نے کہا:

يَلْحَيْنَنِي فی حبها ويَلُمْنَنِي إنّ العواذل ليس لی بأمير

شاعر نے امراء نہیں کہا۔ مبرد نے کہا: یہ وہ اسم ہے جو مصدر کے طور پر استعمال ہوتا ہے، اس کا اطلاق واحد اور جمع پر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ (النور: 31) طبری نے کہا: اس کو نصب تمیز کی بنا پر ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا (النساء: 4)

بعض نے فرمایا: اس کا مطلب ہے ہم تم میں سے ہر ایک کو طفل نکالیں گے اور طفل کا اطلاق ماں سے جدا ہونے کے وقت سے بلوغت تک ہوتا ہے۔ ہر وحشی جانور کے بچے کو بھی طفل کہا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے: جارية طفل وجاريتان طفل وجوار طفل۔ غلام طفل وغلمان طفل اور طفل وطفلة وطفلان وطفلتان وأطفال بھی بولا جاتا ہے۔ طفلات نہیں بولا جاتا۔ أطفلتِ المرأة کہا جاتا ہے۔ جب اولاد والی ہو جائے۔ المطفل اس ہرنی کو کہا جاتا ہے جس کے ساتھ بچے ہوں۔ یہ وہ ہوتی ہے جس کے ابھی ابھی بچے پیدا ہوئے ہوں۔ اسی طرح اونٹنی کو کہا جاتا ہے اور اس کی جمع مطافل اور مطافیل ہے۔ الطفل طاء کے فتحہ کے ساتھ ہو تو نرم وملائم کو کہتے ہیں۔ جارية طفلة ملائم بچی۔ بنان طفل نرم وملائم پورے۔ وقد طفلَ الليل بولا جاتا ہے: جب رات کی تاریکی آ جائے۔ الطَّفل عصر کے بعد کے وقت کو کہتے ہیں جب سورج غروب ہونے کے

1۔ معرفۃ علوم الحدیث، صفحہ 186

قریب پہنچ جائے۔ الطّفل بارش کو بھی کہتے ہیں۔ شاعر نے کہا:

لِوَهْدٍ جادہ طَفَلُ الثُّرَيا

ثُمَّ لِتَبْلُغُوْۤا اَشُدَّكُمْ بعض نے فرمایا: ثم زائدہ ہے جس طرح: حَتّٰۤى اِذَا جَآءُوْهَا وَ فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا (الزمر: 71) میں واؤ زائدہ ہے۔ ثم حروف نسق میں سے ہے جس طرح واؤ حروف نسق میں سے ہے۔ اَشُدَّكُمْ تمہاری عقول کا کمال اور تمہاری قوت کی انتہا۔ اس کا بیان سورۂ انعام میں گزر چکا ہے۔ وَ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰۤى اَرْذَلِ الْعُمُرِ۔ اَرْذَلِ الْعُمُرِ سے مراد گھٹیا اور بیکار عمر ہے۔ اور وہ بڑھاپے کا زمانہ ہے حتی کہ انسان کچھ سمجھتا نہیں؛ اسی وجہ سے فرمایا: لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْـًٔا، جیسا کہ سورۂ یسین میں فرمایا: وَ مَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ (یسین: 68)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دعا مانگتے تھے: اللهم إني أعوذ بك من البخل وأعوذ بك من الجبن وأعوذ بك ان أرد إلى أرذل العمر وأعوذ بك من فتنة الدنيا وعذاب القبر (1)

میں تیری پناہ چاہتا ہوں بخل سے اور تیری ہی پناہ چاہتا ہوں بزدلی سے اور تیری پناہ چاہتا ہوں ارذل العمر (نکمی عمر) سے اور میں تیری پناہ چاہتا ہوں دنیا کے فتنہ سے اور عذاب قبر سے۔

اس حدیث کو نسائی نے حضرت سعد سے روایت کیا ہے فرمایا حضرت سعد اپنے بیٹوں کو یہ کلمات اس طرح سکھاتے تھے جس طرح معلم بچوں کو سکھاتا ہے۔ یہ مفہوم سورۃ النحل میں گزر چکا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ تَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً۔ دوبارہ زندہ کرنے پر قوی دلیل ذکر کی۔ پہلے فرمایا: فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ تمہیں مٹی سے پیدا کیا تمام کو خطاب فرمایا۔ دوسری دلیل میں فرمایا: وَ تَرَى الْاَرْضَ، ایک فرد کو خطاب فرمایا۔ لفظ، لفظ سے جدا ہو گیا۔ لیکن قیامت کے وقوع کے منکر پر حجت قائم کرنے کے اعتبار سے معنی متصل ہے۔ ھامدۃً خشک زمین جو کچھ نہ اُگائے؛ یہ ابن جریج کا قول ہے۔ بعض نے کہا: اس کا معنی دارسۃً ہے اور الھمود، الدروس کو کہتے ہیں یعنی پرانی زمین یا پرانا راستہ۔ شاعر نے کہا:

قالت قُتَيلَةُ ما لجسمك شاحِبًا وأرى ثيابك بالياتٍ هُمَّدًا

ہروی نے ھامدۃً کا معنی خشک مٹی والی زمین کیا ہے۔ شمر نے کہا کہا جاتا ہے: همد شجر الأرض جب زمین سے درخت ختم ہو جائے اور بوسیدہ ہو جائے۔ همدت أصواتهم جب آوازیں خاموش ہو جائیں۔ همود الأرض اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں نہ حیات ہو نہ کوئی نبات ہو نہ کوئی لکڑی ہو اور نہ اس پر بارش ہو۔ حدیث شریف میں ہے: حتی کاد يهمد من الجوع (2) قریب تھا کہ وہ بھوک سے ہلاک ہو جاتا۔ کہا جاتا ہے: همد الثوب يهمد جب کپڑا پرانا ہو جائے۔ وهمدت النار تهمد آگ کا بجھ جانا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاِذَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ، اهتزت کا معنی ہے حرکت کرنا۔ الاهتزاز حرکت کی شدت کو کہتے

1۔ مسند امام احمد، حدیث نمبر 1585

2۔ الفائق زمخشری، جلد 2، صفحہ 20

ہیں۔ هززت الشئ فاهتزمیں نے چیز کوحرکت دی تو وہ حرکت کرنے لگی۔ هزالحادی الإبل هزیزاً فاهتزت، حدی خوان نے اونٹوں کو اپنی حدی خوانی کے ساتھ حرکت دی۔ إهتزالكواكب فی إنقضاضه۔ ستارے نے ٹوٹنے میں حرکت کی۔ کوکب هاز، حرکت کرنے والا ستارہ۔ الأرض تهتزبالنبات زمین نباتات کے ساتھ حرکت کرنے لگی کیونکہ نباتات زمین سے نہیں نکلتیں حتی کہ بعض، بعض کو خفی سے ازالہ کے ساتھ زائل کر دیتی ہیں۔ اس کو مجازاً اهتزاز کہا جاتا ہے۔ بعض نے کہا: اهتزنباتها اس کی فصل حرکت کرنے لگی۔ مضاف کو حذف کیا گیا ہے؛ یہ مبرد کا قول ہے۔ اهتزازہ اس کی حرکت کا شدید ہونا؛ شاعر نے کہا:

تَثَنّی اِذا قامت وتهتز إن مشت کما اهتز غصن البان فی ورق خُضُر

الاهتزاز فی النبات زمین میں فصل کا لہلہانا۔ وَ رَبَتْ بلند ہوئی اور بڑھی۔ بعض نے فرمایا: اس کا معنی ہے پھول گئی۔ مفہوم ایک ہی ہے اصل مفہوم زیادہ ہونا ہے۔ ربا الشئ یربو ربواً جب کوئی چیز زائد ہو جائے۔ اسی سے الربا اور الربوۃ ہے۔ یزید بن قعقاع اور خالد بن الیاس نے وَرَبَأَتْ پڑھا ہے یعنی وہ بلند ہوئی حتی کہ معزز چیز کے قائم مقام ہو گئی۔ جس چیز کی قوم شرف کی وجہ سے حفاظت کرتی ہے۔ فهو رابی و ربيئة یہ مبالغہ کی بناء پر ہے۔ امرء القیس نے کہا:

بَعَثْنَا ربيئًا قبل ذاك مُخَمِّلًا كذئب الغضايش الضَّراء وَيَتَّقِي

وَ اَنْۢبَتَتْ یعنی نکالی۔ مِنْ كُلِّ زَوْجٍۭ ہر رنگ سے۔ بَهِيْجٍ خوبصورت، یہ قتادہ سے مروی ہے۔ یعنی جو اسے دیکھتا ہے خوش ہوتا ہے۔ البھجۃ کا معنی حسن۔ کہا جاتا ہے: رجل ذو بهجة قد بُهج، بهاجةً وبهجة فهو بهيج۔ أبهجنی کا معنی اس کے حسن نے مجھے تعجب میں ڈالا۔ جب زمین کا انبت کے ساتھ وصف بیان کیا گیا تو یہ دلیل ہے کہ اهْتَزَّتْ وَ رَبَتْ کا تعلق بھی زمین کے ساتھ ہے، نبات کے ساتھ نہیں۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَ اَنَّهٗ يُحْيِ الْمَوْتٰى وَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ۝ وَّ اَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا ۙ وَ اَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِی الْقُبُوْرِ ۝

"یہ (رنگا رنگیاں اس کی دلیل ہیں) کہ اللہ تعالیٰ ہی برحق ہے اور وہی زندہ کرتا ہے مردوں کو اور بلاشبہ وہی ہر چیز پر قادر ہے۔ اور یقیناً قیامت آنے والی ہے اس میں ذرا شک نہیں اور اللہ تعالیٰ زندہ کر کے اٹھائے گا ان (مردوں) کو جو قبروں میں ہیں"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ جب اللہ تعالیٰ نے يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ سے لیکر بَهِيْجٍ ۝ تک یہ ذکر فرمایا کہ موجودات اللہ کی محتاج ہیں اور ان کی تسخیر اس کے اقتدار و اختیار سے ہے تو بعد میں فرمایا: ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَ اَنَّهٗ يُحْيِ الْمَوْتٰى وَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ۝ وَّ اَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا ۙ وَ اَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِی الْقُبُوْرِ ۝ تو اس سے اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا تمام چیزیں اگرچہ یقیناً موجود ہیں لیکن ان کی حقیقت نہیں ہے کیونکہ وہ مسخر کی گئی ہے اور ان میں تصرف کیا گیا ہے۔ الحق الحقیقی موجود مطلق ہے اور غنی مطلق ہے، ہر ذی وجود کا وجود اس کے وجود کے وجوب سے ہے، اسی وجہ سے سورہ کے آخر میں فرمایا: وَ اَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ (الحج: 62) اور الحق وہ

موجود ثابت ہے جس میں تغیر اور زوال نہیں ہوتا اور وہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: اسکا مطلب ہے وہ اپنے بندوں پر حق والا ہے۔ بعض نے فرمایا: وہ اپنے افعال میں حق ہے۔ زجاج نے کہا: ذٰلِكَ محل رفع میں ہے یعنی وہ معاملہ جو تم سے بیان کیا گیا ہے۔ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ کہ اللہ تعالیٰ ہی حق ہے فرمایا: یہ بھی جائز ہے کہ ذالك منصوب ہو یعنی فعل الله ذالك بانه هو الحق۔ اللہ نے یہ کیا کیونکہ وہ حق ہے وَ اَنَّهٗ يُحْيِ الْمَوْتٰى اس سے پہلے باء حرف جر محذوف ہے یعنی بانه ہے۔ وَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ یعنی وہ جو ارادہ کرتا ہے اس پر قادر ہے۔ وَّ اَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ اس کا عطف ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ پر لفظ کے اعتبار ہے، معنی کے اعتبار سے نہیں کیونکہ یہ نہیں کہا جاتا: فعل الله ماذكر بان الساعة آتية بلکہ فعل اضمار ضروری ہے جیسے وليعلموا ان الساعة آتية تاکہ وہ جان لیں کہ قیامت آنے والی ہے۔ لَّا رَيْبَ فِيْهَا اس میں کوئی شک نہیں۔ وَ اَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ۔ ثواب و عقاب کے لیے اللہ تعالیٰ قبور میں موجود لوگوں کو اٹھائے گا۔

وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّ لَا هُدًى وَّ لَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ۙ ثَانِيَ عِطْفِهٖ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ لَهٗ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّ نُذِيْقُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ يَدٰكَ وَ اَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝

"اور انسانوں میں ایسے لوگ بھی ہیں جو جھگڑا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے بارے میں بغیر علم کے اور بغیر کسی دلیل کے اور بغیر کسی روشن کتاب کے (تکبر سے) گردن مروڑتے ہوئے تاکہ بہکادے (دوسروں کو بھی) اللہ تعالیٰ کی راہ سے اس کے لیے دنیا میں بھی رسوائی ہے اور ہم چکھائیں گے اسے قیامت کے دن جلانے والی آگ کا عذاب، (اس روز اسے بتایا جائے گا کہ) یہ سزا ہے اس کی جو تیرے دونوں ہاتھوں نے آگے بھیجا اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّ لَا هُدًى وَّ لَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ یعنی روشن کتاب، حجت کو بیان کرنے والی۔ یہ نضر بن حارث کے بارے میں نازل ہوئی۔ بعض نے کہا: ابوجہل بن ہشام کے بارے میں نازل ہوئی: یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ زیادہ یہ ہے کہ نضر بن حارث کے بارے میں نازل ہوئی جیسا کہ پہلی آیت تھی۔ یہ دونوں آیات ایک فریق کے بارے میں اور تکرار مذمت میں مبالغہ کے لیے ہیں جیسے تو کسی کو مذمت اور توبیخ کرتے ہوئے کہتا ہے: أنت فعلت هذا، أنت فعلت هذا تو نے یہ کیا ہے؟ تکرار اس لیے جائز ہے کیونکہ ہر آیت میں زیادتی کے ساتھ اس کا ذکر کیا گیا گویا فرمایا: نضر بن حارث اللہ تعالیٰ کے بارے میں بغیر علم کے جھگڑتا ہے اور سرکش شیطان کی پیروی کرتا ہے۔ اور نضر بن حارث اللہ تعالیٰ کے بارے میں بغیر علم کے جھگڑتا ہے اور بغیر ہدایت اور کتاب منیر کے جھگڑتا ہے تاکہ دوسروں کو بھی راہ راست سے بھٹکائے۔ یہ تیرے اس قول کی طرح ہے: زيد شتمني وزيد يضربني یہ تکرار مفید ہے: یہ قشیری کا قول ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: نضر بن حارث کے بارے میں دس سے زائد آیات نازل ہوئیں پہلی آیت سے

مراد اس کا قیامت کا انکار کرنا ہے۔ دوسری سے اس کا نبوت کا انکار کرنا ہے اور قرآن کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے کا انکار کرنا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ نضر بن حارث کا یہ بھی کہنا تھا کہ ملائکہ اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں جھگڑا ہے۔ اور من محل رفع میں مبتدا ہے اور اس کی خبر وَمِنَ النَّاسِ ہے۔ ثَانِيَ عِطْفِهٖ حال کی بنا پر منصوب ہے۔ اس کی دو معانی پر تاویل کی جاتی ہے۔ (۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: اس سے مراد نضر بن حارث ہے اس نے اپنی گردن کو غرور اور تکبر سے مروڑا۔ اور دوسرا معنی۔ یہ فراء کا قول ہے۔ اس کی تقدیر یہ ہے کہ لوگوں میں سے جو بغیر علم کے اللہ کے بارے میں جھگڑتا ہے ذکر سے اعراض کرتے ہوئے؛ یہ نحاس نے ذکر کیا ہے۔ مجاہد اور قتادہ نے کہا: کفر کی بنا پر اپنی گردن کو مروڑتے ہوئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: کفر کی بنا پر جس کی طرف بلایا جاتا ہے اس سے اعراض کرتے ہوئے۔ مفہوم تمام اقوال کا ایک ہی ہے۔ اوزاعی نے مخلد بن حسین سے انہوں نے ہشام بن حسان سے انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس قول ثَانِيَ عِطْفِهٖ۔ الخ کے بارے میں فرمایا: وہ صاحب بدعت ہے۔ مبرد نے کہا: العطف کا معنی گردن مروڑنا ہے۔ مفضل نے کہا: العطف کا معنی پہلو ہے، اسی سے عربوں کا قول ہے: فلان ینظر فی أعطافه یعنی فلاں اپنے پہلوؤں کی طرف دیکھتا ہے۔ عطفا الرجل سے مراد سر سے لیکر سرین تک کا حصہ ہے۔ اسی طرح عطفا کل شئی ہر چیز کی دونوں اطراف۔ کہا جاتا ہے: ثنی فلان عنی عطفه جب کوئی تجھ سے اعراض کرلے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ جھگڑے میں حق سے اعراض کرنے والا ہے، کلام میں غور وفکر سے منہ موڑنے والا ہے۔ یہ اس قول کی طرح ہے: وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا (لقمان: 7) اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ (المنافقون: 5) اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ (الاسراء: 83) اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ذَهَبَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ يَتَمَطّٰى ۞ (القیامہ) لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے گمراہ کرتا ہے۔ اس کو لیضل یاء کے فتحہ کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔ اور لام عاقبت کے لیے ہے، یعنی وہ جھگڑتا ہے تا کہ (بالآخر) گمراہ ہو جائے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا (القصص: 8) پس وہ ان کے لیے اسی طرح ہوا اس کی مثال یہ ہے: اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ۞ لِيَكْفُرُوْا (الروم) لَهٗ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ یعنی قیامت تک مومنین کی زبانوں پر اس کا ذکر قبیح جاری رہے گا جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ ۞ (القلم) اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ۞ (لہب) بعض علماء نے فرمایا: یہاں الخزی سے مراد قتل کرنا ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے دن نضر بن حارث کو روک کر قتل کر دیا تھا، جیسا کہ سورۃ الانفال میں گزر چکا ہے۔ وَنُذِيْقُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَذَابَ الْحَرِيْقِ یعنی ہم اسے جہنم کی آگ کا مزہ چکھائیں گے۔ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ يَدٰكَ یہ اسے کہا جائے گا جب وہ آگ میں داخل ہوگا: یہ عذاب ہے اس کا جو تیرے ہاتھوں نے کفر اور معاصی سے آگے بھیجا۔ تمام اعضاء کی جگہ ید (ہاتھ) کا ذکر کیا کیونکہ ہاتھ کے ساتھ عمل کرتا ہے اور پکڑتا ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ۚ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ ۨ اطْمَاَنَّ بِهٖ ۚ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ ۨ انْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ ۚ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ۞

"اور لوگوں میں سے وہ بھی ہے جو عبادت کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی کنارہ پر (کھڑے کھڑے) پھر اگر پہنچے اسے بھلائی (اس عبادت سے) تو مطمئن ہو جاتا ہے اس سے اور اگر پہنچے اسے کوئی آزمائش تو فوراً (دین سے) منہ موڑ لیتا ہے، اس شخص نے برباد کر دی اپنی دنیا اور آخرت، یہی تو کھلا ہوا خسارہ ہے"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ، مَنْ مبتدا کی حیثیت سے محل رفع میں ہے اور تمام انْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ پر ہے۔ جمہور کی قرأت پر یہ آیت منافقین کے بارے میں خبر ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس سے مراد شیبہ بن ربیعہ ہے جو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے غلبہ سے پہلے اسلام لایا تھا جب آپ اس کے پاس آئے تو وہ مرتد ہو گیا۔ حضرت ابو سعید خدری نے کہا: یہود میں سے ایک شخص نے اسلام قبول کیا تو اس کی نظر اور اس کا مال چلا گیا اس نے اسلام سے بری فال پکڑی وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا: مجھے میری بیعت واپس کر دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اسلام کے بارے ایسا نہیں کہا جاتا"۔ اس نے کہا مجھے اپنے دین میں خیر نہیں پہنچی میری آنکھیں، میرا مال اور میری اولاد بھی چھن گئی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے یہودی! اسلام مردوں کو پگھلا دیتا ہے جس طرح آگ لوہے، چاندی اور سونے کے کھوٹ کو پگھلا دیتی ہے" (1)۔ اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا: وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ۔ اسرائیل نے ابو حصین سے اس نے سعید بن جبیر سے انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے فرمایا: وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ اگر کوئی شخص مدینہ طیبہ آتا تھا اگر اس کی بیوی بچہ جنم دیتی اور اس کی گھوڑیاں بھی بچے جنم دیتیں تو کہتا: یہ صالح دین ہے۔ اگر اس کی بیوی بچہ جنم نہ دیتی اور گھوڑیاں بچے جنم نہ دیتیں تو وہ کہتا: یہ اچھا دین نہیں ہے۔ مفسرین فرماتے ہیں: یہ ان بدوؤں کے بارے میں نازل ہوئی جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوتے اور اسلام قبول کر لیتے اگر وہ خوشحالی پاتے تو اسلام پر قائم رہتے اگر انہیں شدت لاحق ہوتی تو مرتد ہو جاتے۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ نضر بن حارث کے بارے میں نازل ہوئی۔ ابن زید وغیرہ نے کہا: یہ منافقین کے بارے میں نازل ہوئی۔ عَلٰى حَرْفٍ کا معنی ہے علی شک: یہ مجاہد وغیرہ کا قول ہے۔ اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنی عبادت میں کمزوری پر ہے جیسے وہ شخص کمزور ہوتا ہے جو ایک کنارے پر ہوتا ہے جس میں اسے اضطراب ہوتا ہے ہر چیز کی طرف کنارے اور حد کو حرف کہتے ہیں۔ اسی سے حرف الجبل پہاڑ کا اوپر کا حصہ۔ بعض نے کہا: عَلٰى حَرْفٍ کا مطلب ہے وہ ایک وجہ پر ہوتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ وہ خوشحالی میں عبادت کرتا ہے اور پریشانی میں عبادت نہیں کرتا۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت خوشحالی پر شکر اور تکلیف پر صبر کی بناء پر کرتے تو وہ اللہ تعالیٰ کی ایک وجہ پر عبادت کرنے والے ہوتے۔ بعض نے کہا: عَلٰى حَرْفٍ کا مطلب ہے وہ کسی شرط پر عبادت نہیں کرتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے امر کے غلبہ سے پہلے شیبہ بن ربیعہ نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: میرے لیے آپ اپنے پروردگار سے دعا کریں کہ وہ مجھے مال، اونٹ، گھوڑے اور اولاد عطا فرمائے حتیٰ کہ میں تجھ پر ایمان لاؤں اور آپ کے دین کی طرف مائل ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے دعا فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے اسے اتنا ہی رزق عطا کیا جتنی اس کی خواہش تھی پھر اللہ تعالیٰ نے اسے آزمانے کا ارادہ کیا

1۔ اسباب النزول للواحدی، صفحہ 31

حالانکہ وہ آئندہ کے حالات بہتر جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے اسلام قبول کرنے کے بعد اس کا رزق واپس لے لیا تو وہ اسلام سے مرتد ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی: وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ مراد شرط ہے یعنی وہ خوشی کی شرط پر عبادت کرتا ہے۔ حسن نے کہا: اس سے مراد وہ منافق ہے جو زبان سے عبادت کرتا ہے اور دل سے عبادت نہیں کرتا۔ پس جو ایسی حالت میں عبادت کرتا ہے وہ کلیۃً اسلام میں داخل نہیں ہوتا۔ اسی بات کو آگے قرآن نے خود بیان فرمایا: فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ اِۨ اگر اسے جسم کی صحت، معیشت میں خوشحالی ملتی ہے تو خوش ہوتا ہے اور دین پر قائم رہتا ہے۔ اگر اسے آزمائش سے گزرنا پڑتا ہے تو وہ مرتد ہو جاتا ہے اور پھر کفر کی طرف لوٹ جاتا ہے۔ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ۝ مجاہد، حمید بن قیس، اعرج، زہری، ابن ابی اسحاق اور یعقوب سے بھی مروی ہے: خاسر الدنیا الف کے ساتھ۔ اس کو نصب حال کی بنا پر ہے۔ اس صورت میں عَلٰى وَجْهِهٖ پر وقف نہ ہوگا۔ دنیا میں اس کے خسارہ کا مطلب یہ ہے کہ غنیمت اور ثنا میں اس کا کوئی حصہ نہیں اور آخرت میں اس کے لیے کوئی ثواب نہیں ہوگا۔

يَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهٗ وَمَا لَا يَنْفَعُهٗ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ۝

''وہ عبادت کرتا ہے اللہ تعالیٰ کے سوا اس کی جو نہ ضرر پہنچا سکتا ہے اسے اور نہ نفع پہنچا سکتا ہے اسے، یہی تو انتہائی گمراہی ہے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ یعنی وہ جو کفر کی طرف لوٹتا ہے اس بت کی عبادت کرتا ہے جو نہ نفع دیتا ہے اور نہ نقصان دیتا ہے۔ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ۝ فراء نے کہا: بعید سے مراد طول ہے۔

يَدْعُوْا لَمَنْ ضَرُّهٗٓ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ ۭ لَبِئْسَ الْمَوْلٰى وَلَبِئْسَ الْعَشِيْرُ ۝

''وہ پوجتا ہے اسے جس کی ضرر رسانی زیادہ قریب ہے اس کی نفع رسانی سے، یہ بہت برا دوست ہے اور بہت برا ساتھی''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يَدْعُوْا لَمَنْ ضَرُّهٗٓ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ یہ ہے وہ جو دین سے منہ موڑ دیتا ہے اس کی عبادت کرتا ہے جس کا نقصان اس کے نفع سے زیادہ ہے یعنی آخرت میں کیونکہ وہ اس کی عبادت کی وجہ سے آگ میں داخل ہوگا جبکہ اس نے اس بت سے کبھی نفع دیکھا ہی نہیں لیکن فرمایا: ضَرُّهٗٓ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ تو یہ کلام کی ترفیع کے لیے ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاِنَّآ اَوْ اِيَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ (سبا) بعض علماء نے فرمایا: وہ ان بتوں کی عبادت کرتے ہیں اس خیال سے کہ وہ ان کے لیے کل سفارش کریں گے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَاۗءِ شُفَعَاۗؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ (یونس:18)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى (الزمر:3) فراء، کسائی اور زجاج نے کہا: کلام کا معنی قسم اور تاخیر ہے یعنی وہ عبادت کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی قسم! اس کی جس کا نقصان اس کے نفع سے کم ہے۔ لام غیر مقام میں مقدم ہے اور من، یدعو کی وجہ سے محل نصب میں ہے۔ اور لام جواب قسم ہے اور ضرہ مبتدا ہے اور اقرب خبر ہے۔ لام کی تاخیر کو نحاس نے

ضعیف قرار دیا ہے اور فرمایا: لام کے لیے ایسا تصرف نہیں ہے جو اس کا موجب ہو کہ اس میں تقدیم ہے اور تاخیر نہیں۔

میں کہتا ہوں: کلام کا حق تقدیم ہے کبھی مؤخر کیا جاتا ہے۔ شاعر نے کہا:

خالِی لأنت ومَن جَرِيرٌ خالُه ینلِ العَلاء ویکرِمِ الأخوالا

یعنی لخالی انت یہ پہلے گزر چکا ہے۔ نحاس نے کہا: ہمیں علی بن سلیمان نے محمد بن یزید سے حکایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا: کلام میں حذف ہے۔ اس کا معنی ہے وہ عبادت کرتا ہے ایسے معبود کی جس کا نقصان اس کے نفع سے زیادہ قریب ہے۔ نحاس نے کہا: میرا خیال ہے یہ قول محمد بن یزید کی طرف غلط منسوب ہے کیونکہ اس کا کوئی معنی نہیں کیونکہ جو اس کے بعد ہے وہ مبتدا ہے پس الہ کو نصب دینا جائز نہیں اور محمد بن یزید کا مذہب میں خیال نہیں کرتا مگر اخفش کا قول ہے۔ اور میرے نزدیک سب سے بہتر قول جو اس آیت کے بارے میں کہا گیا ہے وہ یہ ہے کہ یدعو بمعنی یقول ہے اور من مبتدا ہے اور اس کی خبر محذوف ہے اس کا معنی ہے یقول لَمَنْ ضَرُّهٗۤ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ الهه یعنی وہ اسے اپنا معبود کہتا ہے جس کا نقصان اس کے نفع سے زیادہ قریب ہے۔

میں کہتا ہوں یہ قول قشیری نے زجاج اور مبدوی نے اخفش سے روایت کیا ہے اور اس کے اعراب کو مکمل کیا ہے۔ فرمایا: یدعو بمعنی یقول ہے اور من مبتدا ہے اور ضرہ دوسرا مبتدا ہے اور اقرب اس کی خبر ہے اور جملہ من کا صلہ ہے اور من کی خبر محذوف ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے: یقول لمن ضرہ اقرب من نفعه الهه اس کی مثال عنترہ کا قول ہے:

يدعون عَنتَرَ والرِّماحُ كأنها أشطانُ بئرٍ في لَبانِ الأدهمِ

قشیری نے کہا: وہ کافر جو بت کے بارے میں کہتا ہے کہ میرا معبود ہے وہ نہیں کہتا کہ اس کا نقصان اس کے نفع سے زیادہ قریب ہے بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ کافر اس کو اپنا معبود اور الٰہ کہتا ہے۔ مسلمانوں کے قول میں اس کا نقصان اس کے نفع سے زیادہ قریب ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی طرح ہے: یٰۤاَیُّهَ السّٰحِرُ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ (الزخرف: 49) یعنی اے ساحر! ان لوگوں کے نزدیک جو تجھے ساحر پکارتے ہیں۔ زجاج نے کہا: یہ بھی جائز ہے کہ یدعو حال ہو اور اس میں ضمیر محذوف ہو یعنی ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِیْدُ یدعوہ یعنی اس کے اسے پکارنے کی حالت میں۔ یدعو میں ضمیر مضمر ہے اور اس بنا پر یدعو پر وقف ہوگا اور لَمَنْ ضَرُّهٗۤ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ نئی کلام مرفوع مبتدا ہوگی اور اس کی خبر لَبِئْسَ الْمَوْلٰى ہوگی یہ اس لیے کیونکہ لام قسم اور تاکید کے لیے ہے۔ اسے کلام کا آغاز بنایا۔ زجاج نے کہا: یہ بھی جائز ہے کہ ذالک بمعنی الذی ہو اور اس پر یدعو واقع ہے اس لیے محل نصب میں ہو۔ یعنی الذی ھو الضلال البعید یدعو جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَ مَا تِلْكَ بِیَمِیْنِكَ یٰمُوْسٰى (طٰہٰ) یعنی ما الذی پھر اللہ تعالیٰ کا ارشاد لَمَنْ ضَرُّهٗۤ مبتدا ہے اور لَبِئْسَ الْمَوْلٰى مبتدا کی خبر ہے اس بنا پر آیت کی تقدیر اس طرح ہوگی یدعو الذی ھو الضلال البعید مفعول کو مقدم کیا گیا اور وہ الذی ہے جیسے تو کہتا ہے: زیدا یضرب۔ ابوعلی نے اس کو عمدہ خیال کیا ہے۔ زجاج کا خیال ہے کہ نحویوں نے اس قول سے غفلت کی ہے اور یہ شعر پڑھا ہے:

عَدَسْ مالعِبَّادٍ علیك إمارةٌ نَجَوتِ وهذا تَحمِلین طَلیق

ھذا بمعنی الذی ہے۔ زجاج اور فراء نے کہا: یہ بھی جائز ہے کہ یدعوا اپنے ماقبل پر اس فعل کی تکثیر کی جہت پر مکرر ہو جو دعا ہے اور اس کو متعدی نہیں کیا گیا کیونکہ پہلے متعدی تھا یعنی یدعو من دون اللہ مالاینفعہ ولایضرہ یدعو جیسے ضربت زیداً ضربت پھر پہلی یدعو پر اکتفا کرتے ہوئے دوسرے یدعو کو حذف کر دیا گیا۔ فراء نے کہا: یہ بھی جائز ہے کہ لمن ضرہ کلام کے کسرہ کے ساتھ ہو یعنی یدعوالی من ضرہ أقرب من نفعہ۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا ۝ (الزلزال) یہاں بھی لہا بمعنی الیہا، فراء اور قفال نے کہا: لام صلہ ہے یعنی یدعو من ضرہ أقرب من نفعہ، یدعو بمعنی یعبد ہے اسی طرح حضرت عبد اللہ بن مسعود کی قرأت میں ہے لَبِئْسَ الْمَوْلٰى بر امددگار، وَلَبِئْسَ الْعَشِيْرُ، العشیر بمعنی معاشہ صاحب، دوست۔ مجاہد نے کہا: اس سے مراد بت ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ۝

''بیشک اللہ تعالیٰ داخل کرے گا انہیں جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک اعمال کیے باغات میں رواں ہیں جن کے نیچے نہریں، بیشک اللہ تعالیٰ کرتا ہے جو چاہتا ہے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ جب مشرکین، منافقین اور شیاطین کا ذکر کیا تو مومنوں کی آخرت کا حال بیان کیا۔

اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ۝ جسے چاہتا ہے ثواب دیتا ہے جسے چاہتا ہے عذاب دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سچے وعدہ اور اس کے فضل سے مومنین کے لیے جنت ہے اور اس کے عدل کی بنا پر کافروں کے لیے دوزخ ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ کا فضل بندے کے فعل کے ساتھ معلل ہے۔

مَنْ كَانَ يَظُنُّ اَنْ لَّنْ يَّنْصُرَهُ اللّٰهُ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ اِلَى السَّمَآءِ ثُمَّ لْيَقْطَعْ فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدُهٗ مَا يَغِيْظُ ۝

''اور جو شخص یہ خیال کیے بیٹھا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کی مدد نہیں کرے گا نہ دنیا میں اور نہ آخرت میں تو اسے چاہیے کہ لٹک جائے ایک رسی کے ذریعے چھت سے پھر (گلے میں پھندا ڈال کر) اسے کاٹ دے پھر دیکھے آیا دور کر دیا اس کی (خودکشی کی) تدبیر نے اس کے غم وغصہ کو''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مَنْ كَانَ يَظُنُّ اَنْ لَّنْ يَّنْصُرَهُ اللّٰهُ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ اِلَى السَّمَآءِ ابو جعفر نحاس نے کہا: اس میں بہتر قول یہ ہے کہ اس کا معنی ہے جو یہ گمان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت محمد ﷺ کی مدد نہیں کرے گا تو وہ اس نصرت کو کاٹ دے جو اسے دی گئی ہے۔ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ اِلَى السَّمَآءِ یعنی اسے حیلہ تلاش کرنا چاہیے جو اسے آسمان کی طرف لے جائے۔ ثُمَّ لْيَقْطَعْ پھر اسے اس نصرت کو کاٹ دینا چاہیے اگر اس کے لیے ممکن ہو۔ فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدُهٗ پھر وہ دیکھے کہ اس کی تدبیر اس کے اس غم وغصہ کو دور کرتی ہے جو اسے حضور ﷺ کی نصرت کی وجہ سے ہے۔ اس کلام کا فائدہ یہ

ہے کہ تدبیر اور حیلہ اس کے لیے ممکن نہیں بناتا کہ وہ ایسا کر سکے تو وہ نصرت کو ختم کرنے تک بھی نہیں پہنچے گا۔ اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یَّنْصُرَهُ اللّٰهُ میں ضمیر کا مرجع حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اگرچہ پہلے ذکر نہیں ہے لیکن پوری کلام اس پر دلالت کر رہی ہے کیونکہ ایمان، اللہ تعالیٰ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا ہے اور دین سے پھرنا اس دین سے پھرنا ہے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم لیکر آئے ہیں یعنی جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے دشمنی کرنے والوں اور کنارے پر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والوں سے یہ گمان کرتا ہے کہ ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد نہیں کریں گے تو اسے ایسا ایسا کرنا چاہیے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے کہ ضمیر کا مرجع مَنْ ہے مفہوم یہ ہوگا کہ جو گمان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے رزق نہیں دے گا اسے چاہیے کہ چھت پر لٹک جائے اور اپنے آپ کو قتل کر دے کیونکہ اس زندگی میں کوئی بھلائی نہیں جو اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت سے خالی ہو۔ اس قول کی بنا پر نصرت سے مراد رزق ہوگا۔ عرب کہتے ہیں: من ینصرنی نصرہ اللہ یعنی جو مجھے عطا کرے گا اللہ تعالیٰ اسے عطا کرے گا؛ اسی سے عربوں کا قول ہے أرض منصورة ایسی زمین جس پر بارش ہو؛ فقعسی نے کہا:

وانت لا تعطی امرأ فوق حقه ولا تملك الشق الذی الغیث ناصره

اسی طرح ابن ابی نجیح نے مجاہد سے روایت کیا ہے فرمایا: مَنْ كَانَ يَظُنُّ اَنْ لَّنْ يَّنْصُرَهُ اللّٰهُ یعنی وہ اسے ہرگز رزق نہیں دے گا؛ ابوعبیدہ کا یہی قول ہے۔ بعض نے کہا: ضمیر کا مرجع دین ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو گمان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے دین کی مدد نہیں کرے گا۔ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ، السبب سے مراد رسی ہے۔ السبب وہ جس کے ذریعے کسی چیز تک پہنچا جائے۔ اِلَى السَّمَآءِ گھر کی چھت کی طرف۔ ابن زید نے کہا: السَّمَآءِ سے مراد آسمان معروفہ ہے۔ کوفیوں نے ثُمَّ لْيَقْطَعْ لام کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ نحاس نے کہا: یہ عربی میں بعید ہے کیونکہ ثم واو اور فاء کی طرح نہیں کیونکہ اس پر وقف کیا جاتا ہے۔ اور یہ علیحدہ ہوتا ہے۔ حضرت عبداللہ کی قرات میں فلیقطعه ثم لینظر هل یذهبن کیده مایغیظ۔ بعض علماء نے کہا: ما بمعنی الذی ہے یعنی هل یذهبن کیده الذی یغیظه ضمیر کو تخفیف کی خاطر حذف کیا گیا ہے۔ بعض نے کہا: ما مصدریہ ہے یعنی هل یذهبن کیده غیظه کیا اس کی تدبیر غصہ کو ختم کر دے گی۔

وَ كَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ۙ وَّ اَنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يُّرِيْدُ ۝

''اور اسی طرح ہم نے اتارا ہے اس کتاب کو روشن دلیلوں کے ساتھ اور بیشک اللہ تعالیٰ ہدایت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ كَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ضمیر کا مرجع قرآن ہے۔ وَّ اَنَّ اللّٰهَ یعنی و کذالك أن اللہ اسی طرح اللہ تعالیٰ يَهْدِيْ مَنْ يُّرِيْدُ ۝ ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے۔ ہدایت کے وجود کو اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے معلق کیا گیا ہے۔ صرف اللہ تعالیٰ ہی ہدایت دینے والا ہے، اس کے سوا حقیقۃً کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِيْنَ هَادُوْا وَ الصّٰبِـِٕيْنَ وَ النَّصٰرٰى وَ الْمَجُوْسَ وَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۖ اِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝

''بیشک اہل ایمان یہودی، ستارہ پرست، عیسائی، آتش پرست اور مشرک ضرور فیصلہ فرمائے گا اللہ تعالیٰ ان سب (گروہوں) کے درمیان قیامت کے دن بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز کا مشاہدہ فرما رہا ہے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یعنی جو اللہ تعالیٰ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے۔ وَالَّذِیْنَ هَادُوْا اس سے مراد یہود ہیں، جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ملت کی طرف منسوب ہیں۔ الصّٰبِـِٕیْنَ وہ لوگ جو ستاروں کی پوجا کرتے ہیں۔ النَّصٰرٰی جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ملت کی طرف منسوب ہیں۔ الْمَجُوْسَ آگ کی پوجا کرنے والے، جو کہتے ہیں عالم کی دو اصل ہیں نور اور ظلمت۔ قتادہ نے کہا: ادیان پانچ ہیں۔ چار شیطان کے لیے ہیں اور ایک رحمن کے لیے ہے۔ بعض علماء نے کہا: مجوس اصل میں نجوس ہیں کیونکہ نجاستوں کے استعمال کرنے کو دین کہتے ہیں۔ نون اور میم ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہوتے ہیں جیسے الغیم، الغین، الایم، الاین اس پر تفصیلی گفتگو سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہے۔ وَالَّذِیْنَ اَشْرَكُوْا اس سے مراد عرب کے بت پرست ہیں۔ اِنَّ اللّٰهَ یَفْصِلُ بَیْنَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ یعنی قیامت کے روز اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمائے گا کافروں کے لیے آگ ہوگی اور مومنین کے لیے جنت ہوگی۔ بعض نے فرمایا: فیصلہ یہ ہوگا کہ حق والے اور باطل والے کو ضروری معرفت عطا فرمائے گا۔ آج غور وفکر سے حق والا، باطل والے سے جدا ہو جائے گا۔ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ۝ وہ اپنی مخلوق کے اعمال، حرکات اور اقوال کا مشاہدہ کر رہا ہے۔ اس سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔ پاک ہے وہ ذات اور اِنَّ اللّٰهَ یَفْصِلُ بَیْنَهُمْ، اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا میں جو ان ہے اس کی خبر ہے جیسے تو کہتا ہے: انّ زیدا أن الخیر عندہ۔ فراء نے کہا: کلام میں ان زید أن اخاہ منطلق جائز نہیں اور اس کا خیال ہے کہ آیت میں یہ جائز ہے کیونکہ کلام میں مجازات کا معنی ہے یعنی جو ایمان لایا اور یہود بنا یا نصرانی بنا یا صابی بنا ان کے درمیان فیصلہ فرمائے گا اور ان کا حساب اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔ ابو اسحاق نے فراء کے اس قول کو رد کیا ہے اور قبیح کہا ہے۔ اس قول کو کہ إن زیدا أن أخاہ منطلق جائز نہیں فرمایا۔ زید اور الذین کے درمیان کوئی فرق نہیں۔ ان مبتدا پر داخل ہوتا ہے۔ پس تو کہتا ہے: إن زیدا ھو منطلق پھر تو ان کو لاتا ہے اور کہتا ہے: إنّ زیدا أنّہ منطلق۔

إنّ الخليفة إن الله سربله سربال عزبه ترجى الخواتيم

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَنْ فِی الْاَرْضِ وَ الشَّمْسُ وَ الْقَمَرُ وَ النُّجُوْمُ وَ الْجِبَالُ وَ الشَّجَرُ وَ الدَّوَآبُّ وَ كَثِیْرٌ مِّنَ النَّاسِ ؕ وَ كَثِیْرٌ حَقَّ عَلَیْهِ الْعَذَابُ ؕ وَ مَنْ یُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَفْعَلُ مَا یَشَآءُ ۝۱۸

''کیا تم ملاحظہ نہیں کر رہے کہ اللہ تعالیٰ کو ہی سجدہ کر رہی ہے ہر چیز جو آسمان میں ہے اور جو زمین میں ہے نیز آفتاب، مہتاب، ستارے، پہاڑ، درخت اور چوپائے اور بہت سے انسان بھی (اسی کو سجدہ کرتے ہیں) اور بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں جن پر عذاب مقرر ہو چکا ہے، اور (دیکھو) جس کو ذلیل کر دے اللہ تعالیٰ تو کوئی اسے عزت دینے والا نہیں ہے، بلاشبہ اللہ تعالیٰ کرتا ہے جو چاہتا ہے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اس رؤیت سے مراد دل کی رؤیت ہے یعنی آپ نے اپنے دل اور عقل سے ملاحظہ نہیں کیا۔ السجود کا معنی سورۂ بقرہ میں اور جماد کے سجدہ کرنے کا ذکر سورۃ النحل میں گزر چکا ہے۔ وَالشَّمْسُ، من پر معطوف ہے اسی طرح وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ بھی معطوف ہے پھر فرمایا: وَكَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ یہ اعراب میں مشکل ہے۔ نصب نہیں دیا تاکہ نص میں فعل عامل ہو وہ اس پر معطوف ہو جائے جس میں فعل عامل ہو جیسے: وَالظّٰلِمِيْنَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿﴾ (الدہر)

کسائی اور فراء کا خیال ہے کہ اگر نصب دی جاتی تو بہتر ہوتا لیکن رفع اختیار کیا گیا ہے کیونکہ اس کا معنی ہے بہت سے لوگوں نے سجدہ کرنے کا انکار کیا۔ پس یہ مبتدا، خبر ہوں گے۔ كَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ کے قول پر کلام مکمل ہوگی۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ معطوف ہو، اس بنا پر کہ السجود سے مراد ضعف، قوت، صحت، سقم، حسن اور قبیح میں اللہ تعالیٰ کی تدبیر کے سامنے تذلل اور انقیاد ہے۔ اس میں ہر چیز داخل ہے اور اس تقدیر پر نصب دینا جائز ہے۔ اھان کثیراً حق علیہ العذاب۔ بعض نے فرمایا: والدواب کے قول پر کلام مکمل ہوئی۔ نئی کلام شروع ہوئی اور فرمایا: وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ بہت سے لوگ جنت میں ہوں گے اور بہت سے لوگوں پر عذاب ثابت ہے۔ اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے انہوں نے فرمایا: اس کا معنی ہے کثیر لوگ جنت میں ہوں گے اور بہت سے لوگوں پر عذاب ثابت ہوگا۔ یہ ابن انباری نے ذکر کیا ہے۔ ابو العالیہ نے کہا: آسمانوں میں ستارہ، چاند، سورج نہیں ہے مگر وہ غائب ہونے کے وقت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدہ کرتا ہے پھر وہ واپس نہیں لوٹتا حتیٰ کہ اسے اذن دیا جاتا ہے پس وہ اپنے مطلع سے پھر لوٹتا ہے۔ قشیری نے کہا: سورج کے حق میں سجدہ کرنا مسند کی خبر میں وارد ہے اور یہ حقیقی سجدہ ہے اور اس کی ضرورت سے ہے کہ سجدہ کرنے والے میں عقل اور حیات ہو۔

میں کہتا ہوں: مسند حدیث وہ ہے جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ امام مسلم نے نقل کی ہے۔ وہ سورۂ یٰسین میں وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا (یٰسین: 38) کے تحت آئے گی۔ اور سجود کا معنی سورۂ بقرہ میں لغۃً اور معنی بیان ہو چکا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ یعنی جس کو اللہ تعالیٰ شقاوت اور کفر کے ساتھ ذلیل کرتا ہے اس سے کوئی ذلت کو دور کرنے پر قادر نہیں ہوتا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جس نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی توہین کی وہ آگ کی طرف گیا۔ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ﴿﴾ ان کو آگ پہنچنے میں کسی کو اعتراض کی گنجائش نہیں۔ اخفش، کسائی اور فراء نے حکایات کیا ہے۔ وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ یعنی اس کے لیے کوئی اکرام نہیں۔

هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِيْ رَبِّهِمْ ۫ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ ؕ يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِيْمُ ﴿۱۹﴾ يُصْهَرُ بِهٖ مَا فِيْ بُطُوْنِهِمْ وَالْجُلُوْدُ ﴿۲۰﴾ وَلَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيْدٍ ﴿۲۱﴾

"یہ دو فریق ہیں جو جھگڑ رہے ہیں اپنے رب کے بارے میں تو وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا تیار کر دیے گئے ہیں ان کے لیے کپڑے آتش (جہنم) سے انڈیلا جائے گا، ان کے سروں پر کھولتا ہوا پانی گل جائے گا اس

کھولتے ہوئے پانی سے جو کچھ ان کے شکموں میں ہے اور ان کی چمڑیاں بھی گل جائیں گی اور ان (کو مارنے) کے لیے گرز ہوں گے لوہے کے"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِيْ رَبِّهِمْ امام مسلم نے حضرت قیس بن عباد سے روایت کیا ہے فرمایا میں نے حضرت ابوذر کو قسم اٹھا کر یہ کہتے ہوئے سنا کہ یہ آیت هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِيْ رَبِّهِمْ ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے بدر میں ایک دوسرے کو للکارا تھا (مسلمانوں میں سے) حضرت حمزہ، حضرت علی اور حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہم اور (کفار میں سے) عتبہ، شیبہ جو ربیعہ کے بیٹے تھے اور ولید بن عتبہ۔ اس حدیث سے امام مسلم نے اپنی کتاب کو ختم کیا ہے (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ تینوں آیات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر مدینہ طیبہ میں نازل ہوئیں اور (چھ افراد کے بارے میں نازل ہوئیں) تین کا تعلق مسلمانوں سے تھا اور تین کا تعلق کافروں سے تھا اور ان کے نام بھی ذکر کیے جس طرح حضرت ابوذر نے ذکر کیے ہیں۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے کہا: میں پہلا شخص ہوں گا جو قیامت کے دن اللہ کی بارگاہ میں جھگڑنے کے لیے گھٹنوں کے بل کھڑا ہوں گا ان کی مراد ان کا اور ان کے ساتھیوں کی مبارزت کا واقعہ ہے۔ اس کو امام بخاری نے ذکر کیا ہے۔ اس قول کی طرف ہلال بن یساف اور عطاء بن یسار وغیرہما گئے ہیں۔ عکرمہ نے کہا: الخصمان سے مراد جنت اور دوزخ ہیں انہوں نے آپس میں جھگڑا کیا۔ آگ نے کہا: اس نے مجھے سزا کے لیے پیدا کیا اور جنت نے کہا: اس نے مجھے اپنی رحمت کے لیے پیدا کیا۔

میں کہتا ہوں: جنت اور دوزخ کا جھگڑا حضرت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں وارد ہے، فرماتے ہیں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت اور دوزخ کا جھگڑا ہوا تو آگ نے کہا: میرے اندر جابر اور متکبر لوگ داخل ہوں گے اور جنت نے کہا: میرے اندر ضعیف اور کمزور لوگ داخل ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے آگ کو فرمایا: تو میرا عذاب ہے میں جس کو چاہوں گا تیرے ساتھ عذاب دوں گا اور جنت کو فرمایا: تو میری رحمت ہے میں جس کو چاہوں گا تیرے ساتھ رحم کروں گا تم میں سے ہر ایک نے بھرنا ہے" (2)۔ اس حدیث کو امام بخاری، امام مسلم اور امام ترمذی نے روایت کیا ہے۔ اور امام ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ فرمایا: کہ وہ اہل کتاب ہیں جنہوں نے مومنین کو کہا: ہم تم سے زیادہ اللہ کے قریبی ہیں اور تم سے پہلے ہمیں کتاب ملی تھی اور ہمارے نبی تمہارے نبی سے پہلے ہیں۔ مومنوں نے کہا: ہم تم سے زیادہ اللہ کے قریبی ہیں ہم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور ہم تمہارے نبی پر بھی ایمان لائے اور اس پر ایمان لائے جو ان پر کتاب نازل ہوئی۔ اور تم ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جانتے ہو اور تم نے اسے چھوڑ دیا اور حسد کی وجہ سے تم نے اس کا انکار کیا۔ یہ ان کی خصومت ہے ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی؛ یہ قتادہ کا قول ہے۔ پہلا قول اصح ہے جس کو امام بخاری نے حجاج بن منہال سے انہوں نے ہشیم سے انہوں نے ہاشم سے انہوں نے ابومجلز سے انہوں نے قیس بن عباد سے انہوں نے حضرت

1۔ صحیح مسلم، کتاب التفسیر، باب فی قولہ تعالیٰ هذان خصمان، حدیث نمبر 5412، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ جامع ترمذی، کتاب صفة الجنة، باب ماجاء فی احتجاج الجنة والنار، حدیث 2484

ابوذر سے روایت کی ہے اور امام مسلم نے عمرو بن زرارہ سے انہوں نے ہشیم بن عباد سے انہوں نے حضرت علی سے روایت کی ہے فرمایا: یہ آیت ہمارے متعلق اور ہماری بدر کے دن کی مبارزت کے بارے میں نازل ہوئی۔ هٰذٰنِ خَصْمٰنِ ... الخ، ابن کثیر نے هٰذٰنِّ خَصْمٰنِ میں ھذان کو نون کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ فراء نے خصمان کی تفسیر میں کہا کہ یہ دو مختلف دینوں والے تھے۔ ایک گروہ مسلمانوں میں سے تھا اور دوسرا یہود و نصاریٰ میں سے تھا۔ وہ اپنے رب کے دین کے بارے میں جھگڑے، فرمایا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اخْتَصَمُوْا کیونکہ وہ بہت سے تھے۔ فرمایا اگر اللہ تعالیٰ اختصما فرماتے تو بھی جائز تھا۔ نحاس نے کہا: یہ ایسے شخص کی تاویل ہے جس کے لیے نہ حدیث سے روایت ہے نہ اہل تفسیر سے کوئی نقل ہے، کیونکہ اس آیت کے بارے میں حدیث مشہور ہے اس کو سفیان ثوری وغیرہ نے ابو ہاشم سے انہوں نے ابو مجلز سے انہوں نے قیس بن عباد سے روایت کیا ہے فرمایا: میں نے حضرت ابوذر کو قسم اٹھا کر یہ کہتے ہوئے سنا کہ یہ آیت حضرت حمزہ، حضرت علی اور حضرت عبیدہ بن حارث بن عبدالمطلب اور عتبہ، شیبہ جو ربیعہ کے بیٹے تھے اور ولید بن عتبہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ ابو عمرو بن علاء نے مجاہد سے انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ اس میں چوتھا قول یہ ہے کہ وہ تمام مومنین تھے اور تمام کافر تھے خواہ ان کا تعلق کسی بھی ملت سے ہو؛ یہ مجاہد کا قول ہے۔ حسن، عطاء بن ابی رباح اور عاصم بن ابی النجود اور کلبی کا قول ہے یہ قول اپنے عموم کی وجہ سے تمام کو شامل ہے؛ جن کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی اور جو ان کے علاوہ تھے۔ بعض نے کہا: یہ دوبارہ اٹھنے اور جزا کے متعلق جھگڑنے کے بارے میں نازل ہوئی جب ایک قوم نے اس کا اقرار کیا اور دوسروں نے اس کا انکار کیا۔ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا یعنی وہ فرقے جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ سیئے گئے ہیں اور تیار کیے گئے ہیں۔ یہاں آگ کو کپڑوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے کیونکہ یہ ان کا لباس ہوگی جیسے کپڑے ہوتے ہیں اور قُطِّعَتْ کا ارشاد اس کا مطلب ہے ان کے آخرت میں آگ سے کپڑے بنائے جائیں گے۔ لفظ ماضی کے ساتھ ذکر فرمایا کیونکہ جو آخرت کی اخبار سے ہے اس کا وعدہ کیا گیا ہے تو واقع محقق کی طرح ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اذقال الله یاعیسیٰ بن مریم أأنت قلت للناس۔ یہاں بھی قال بمعنی یقول ہے۔ یہ بھی احتمال ہو سکتا ہے کہ اب سے ان کے لیے یہ لباس تیار کیے گئے ہوں کہ وہ انہیں پہنیں جب وہ آگ کی طرف جانے لگیں۔ سعید بن جبیر نے کہا: من نار سے مراد قیامت ہے۔ وہ لباس تانبے سے ہوں گے جس کو پگھلایا گیا ہوگا، یہی مراد ہے جن کا ذکر قِطْرَانٍ میں کیا گیا ہے اور گرم چیزوں میں کوئی چیز اس سے زیادہ گرم نہیں ہوتی جب اسے گرم کیا جاتا ہے۔ بعض نے فرمایا: اس کا مطلب ہے آگ ان کا اس طرح احاطہ کرے گی جس طرح کپڑے انسان کا احاطہ کرتے ہیں جب انہیں وہ پہنائی جائے گی۔ پس وہ اس وجہ سے کپڑے کی مانند ہوگی کیونکہ احاطہ کی وجہ سے کپڑوں کی مانند ہوگی جیسے فرمایا: وَّجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا ۝ (النبا) يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِيْمُ۔ الْحَمِيْمُ سے مراد گرم پانی ہے جو جہنم کی آگ پر گرم کیا گیا ہوگا۔ امام ترمذی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے واسطہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا فرمایا: "گرم پانی ان کے سروں پر انڈیلا جائے گا تو وہ اندر داخل ہوگا حتی کہ وہ ان کے پیٹ تک پہنچ جائے گا اور جو کچھ ان کے پیٹ میں ہوگا اسے نکال دے گا حتی کہ وہ ان کے قدموں سے نکل جائے گا۔ یہ الصھر ہے پھر اسے اسی طرح لوٹا دیا جائے گا

جس طرح پہلے تھا'' (1)۔ امام ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔ یُصۡهَرُ کا معنی ہے پگھلانا۔ به ما فی بطونهم، الصهر کا معنی ہے چربی کا پگھلانا۔ الصهارا سے کہتے ہیں جو اس میں پگھل جائے۔ کہا جاتا ہے: صهرت الشئ فانصهر۔ میں نے اس کو پگھلایا تو وہ پگھل گئی۔ فهو صهير۔ ابن احمر نے کونج کے بچے کی تعریف میں کہا:

تَرۡوِی لَقَیً أُلۡقِیَ فی صَفۡصَفٍ تَصۡهرہ الشَّمۡسُ فما یَنۡصَهِرۡ

یعنی سورج اسے پگھلاتا ہے تو وہ اس پر صبر کرتا ہے۔

وَالۡجُلُوۡدُ ۞ وہ ان کی کھالوں کو پگھلا دے گی یا انہیں بھون ڈالے گی کیونکہ کھالیں پگھلتی نہیں ہیں لیکن ہر چیز کیساتھ وہ ملایا جاتا ہے جو اس کے مناسب ہوتا ہے۔ یہ اس طرح ہے جیسے تو کہتا ہے: آتیتہ فاطعمنی ثریدا ای واللہ ولبنا قارصا یعنی اس نے ثرید کھلائی اور کھٹا دودھ پلایا۔ شاعر نے کہا:

عَلَفتها تبناً و ماءً باردا

وَ لَهُمۡ مَّقَامِعُ مِنۡ حَدِیۡدٍ ۞ لوہے کے گرزوں سے انہیں مارا جائے گا اور دھکیلے جائیں گے۔ مقامع کا مفرد مقمعة ہے اور مقمع بھی ہے جیسے المجن جو ہاتھی کے سر پر چڑھائی جاتی ہے۔ وقد قمعته جب تو نے اسے اس کے ساتھ مارا۔ قمعته اور اقمعتہ دونوں کا ایک ہی معنی ہے یعنی میں نے اس پر جبر کیا اور اسے ذلیل کیا تو وہ ذلیل ہو گیا۔ ابن سکیت نے کہا: أقمعت الرجل عنی اقماعا جو وہ تجھ پر طلوع ہوا اور تو اسے اپنے آپ سے دور کر دے۔ بعض علماء نے فرمایا: المقامع سے مراد گرز ہیں۔ حدیث میں ہے: جہنم کے فرشتوں میں سے ہر ایک کے پاس ایک گرز ہو گا جس کی دو شاخیں ہوں گی پس وہ ایک ضرب لگائے گا تو وہ ستر ہزار (سال) نیچے چلا جائے گا'' (2)۔ بعض نے کہا: مقامع سے مراد آگ کے کوڑے ہیں۔ اس کو یہ نام اس لیے دیا گیا ہے کہ مضروب کو ذلیل کرتے ہیں۔

كُلَّمَآ اَرَادُوۡٓا اَنۡ يَّخۡرُجُوۡا مِنۡهَا مِنۡ غَمٍّ اُعِيۡدُوۡا فِيۡهَا ۗ وَذُوۡقُوۡا عَذَابَ الۡحَرِيۡقِ ۞

''جب بھی ارادہ کریں گے اس سے نکلنے کا فرط رنج و الم کے باعث تو انہیں لوٹا دیا جائے گا اس میں اور (کہا جائے گا) کہ چکھو جلتی ہوئی آگ کا عذاب''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: كُلَّمَآ اَرَادُوۡٓا اَنۡ يَّخۡرُجُوۡا مِنۡهَا، منها میں ها ضمیر کا مرجع آگ ہے۔ اُعِيۡدُوۡا فِيۡهَا گرز مار مار کر لوٹا دیئے جائیں گے۔ ابو ظبیان نے کہا: ہمارے لیے ذکر کیا گیا ہے کہ وہ آگ سے نکلنے کا ارادہ کریں گے جب وہ ان کے ساتھ جوش مارے گی اور بھڑکے گی تو انہیں آگ کے دروازوں کے اوپر ڈالا جائے گا تو وہ اس سے نکلنے کا ارادہ کریں گے فرشتے گرزوں کے ساتھ انہیں آگ کی طرف لوٹا دیں گے (3)۔ بعض علماء نے فرمایا: جب ان کا غم زیادہ ہو گا تو وہ بھاگیں گے جو ان میں سے اس کے کنارے تک پہنچے گا تو فرشتے اسے گرزوں کے ساتھ اس میں لوٹا دیں گے۔ اور وہ انہیں

1۔ جامع ترمذی، باب صفة الجهنم، جلد 2، صفحہ 82۔ ایضاً، حدیث 2505، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ الزہد، ابن مبارک، صفحہ 340

3۔ تفسیر طبری، جز 17-18، صفحہ 159

کہیں گے: وَ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ جلانے والے عذاب کا مزہ چکھو۔ یہ فعیل بمعنی فاعل ہے جیسے الیم اور وجیع معنی فاعل ہوتے ہیں۔ بعض علماء نے کہا: الحریق، الاحتراق ہے اسم ہے۔ تحترق الشئ بالنار کا مطلب کسی چیز کا جل جانا۔ اسم الحرقة اور الحریق ہے۔ الذوق سے مراد وہ حاسہ ہے جس کے ساتھ ذائقہ کا ادراک ہوتا ہے۔ یہاں وسعت ہے اس سے مراد ان کا تکلیف پانا ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّ لُؤْلُؤًا ۭ وَ لِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ ﴿۲۳﴾

"یقیناً اللہ تعالیٰ داخل کرے گا ان لوگوں کو جو ایمان بھی لے آئے اور عمل بھی نیک کرتے رہے جنتوں میں بہتی ہیں جن کے نیچے ندیاں انہیں پہنائے جائیں گے جنت میں سونے کے کنگن اور موتیوں کے ہار اور ان کی پوشاک وہاں ریشمی ہوگی"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: إِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ پہلے ایک خصم کافر کا ذکر کیا تو اب دوسرے خصم مومن کا ذکر ہو رہا ہے۔ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ، من صلہ ہے۔ الأساور جمع ہے أسورة کی اور أسورة کا واحد سوار ہے۔ اس میں تین لغات ہیں۔ سین کے ضمہ اور کسرہ کے ساتھ اور اسوار۔ مفسرین نے فرمایا: جب بادشاہ دنیا میں کنگن اور تاج پہنتے ہیں تو اللہ تعالیٰ جنت میں یہ اہل جنت کے لیے بنائے گا۔ ہر جنتی کے ہاتھ میں تین کنگن ہوں گے ایک سونے کا، ایک چاندی کا اور ایک موتیوں کا۔ یہاں اور سورۂ فاطر میں فرمایا: مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّ لُؤْلُؤًا اور سورہ الانسان میں فرمایا: وَّ حُلُّوْۤا اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ (الانسان: 21) اور صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے فرمایا: میں نے اپنے خلیل صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ "مومن کا زیور وہاں تک پہنچے گا جہاں تک وضو کا پانی پہنچتا ہے"(1)۔ بعض نے کہا: عورتوں کو سونے کے زیور پہنائے جائیں گے اور مردوں کو چاندی کے زیور پہنائے جائیں گے اس میں نظر ہے قرآن اس کا رد کرتا ہے۔

وَّ لُؤْلُؤًا، نافع، ابن قعقاع، شیبہ، عاصم نے یہاں اور سورۃ الملائکۃ میں لؤلؤا نصب کے ساتھ پڑھا ہے اس معنی پر یحلون لؤلؤا۔ اور انہوں نے اس سے استدلال کیا ہے کہ تمام مصاحف میں الف کے ساتھ لکھا گیا ہے۔ اسی طرح یعقوب اور جحدری، عیسیٰ بن عمر نے یہاں نصب کے ساتھ اور سورۂ فاطر میں جر کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ انہوں نے مصحف کی اتباع کرتے ہوئے پڑھا ہے کیونکہ یہاں الف کے ساتھ لکھا گیا ہے اور فاطر میں بغیر الف کے لکھا گیا ہے۔ باقی قراء نے دونوں جگہ مجرور پڑھا ہے۔ ابو بکر سارے قرآن میں اللؤلؤ کو ہمزہ کے ساتھ نہیں پڑھتے تھے۔

اللؤلؤ سے مراد وہ ہے جو سمندر میں سیپ کے پیٹ سے نکلتا ہے۔ قشیری نے کہا: اس سے مراد موتیوں کے ساتھ کنگنوں کو مزین کرنا ہے۔ یہ کوئی بعید نہیں کہ جنت میں خالص موتیوں سے کنگن بنے ہوئے ہوں۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، جلد 1، صفحہ 127

میں کہتا ہوں: یہ قرآن ظاہر ہے بلکہ قرآن کی نص ہے۔ ابن الانباری نے کہا: جنہوں نے لؤلؤ جر کے ساتھ پڑھا انہوں نے اس پر وقف کیا اور ذہب پر وقف نہیں کیا۔ سجستانی نے کہا: لؤلؤ کی نصب کی وجہ سے من ذھب پر وقف کافی ہے کیونکہ اس کا معنی ہے یحلون لؤلؤا۔ ابن الانباری نے کہا: اس طرح نہیں جس طرح انہوں نے کہا ہے کیونکہ جب ہم اللؤلؤ کو جر دیتے ہیں تو ہم اساور کے لفظ پر اس کا عطف کرتے ہیں گویا ہم یوں کہتے ہیں: یحلون فیھا اساور ولؤلؤا اور یہ نصب میں بھی اپنے مقام کی وجہ سے جر میں ہے پس اسے پہلے سے قطع کرنے کا کوئی معنی نہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ لِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ ۝ جو وہ پہنیں گے بستر، لباس اور پردے وغیرہ سب ریشم کے ہوں گے اور دنیا کے ریشم سے کہیں بلند و بالا مرتبہ ہوگا۔ نسائی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے دنیا میں ریشم پہنا وہ آخرت میں ریشم نہیں پہنے گا اور جس نے دنیا میں شراب پی وہ آخرت میں شراب (طہور) نہیں پیئے گا اور جس نے سونے اور چاندے کے برتنوں میں پیا وہ آخرت میں سونے اور چاندی کے برتنوں میں نہیں پیئے گا''۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اہل جنت کا لباس اور اہل جنت کی شراب اور اہل جنت کے برتن''(1)۔

اگر یہ کہا جائے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تینوں چیزوں میں برابری کی ہے اور آخرت میں یہ چیزیں حرام کی گئی ہیں۔ کیا: جنت میں جب داخل ہو جائیں گے اس وقت یہ چیزیں حرام کی جائیں گی؟ ہم کہیں گے: ہاں جب تک ان سے توبہ نہیں کرے گا آخرت میں ان چیزوں کو حرام کیا جائے گا اگرچہ جنت میں داخل بھی ہو جائے گا کیونکہ اس نے ان چیزوں کے استعمال میں جلدی کی جن کو اللہ تعالیٰ نے اس پر دنیا میں حرام کیا تھا۔ یہ نہیں کہا جائے گا کہ اس وقت حرام ہوں گی جب اسے آگ میں عذاب دیا جائے گا یا موقف میں طویل عرصہ ٹھہرتے وقت۔ رہا وہ وقت جب جنت میں داخل ہوں گے تو اس وقت حرام نہیں ہوں گی کیونکہ جنت کی لذات سے محروم ہونا اس شخص کے لیے جو جنت میں ہے ایک قسم کی سزا اور مؤاخذہ ہے اور جنت سزا کی جگہ نہیں ہے اور اس میں کسی قسم کا مؤاخذہ نہیں ہے، پس ہم کہتے ہیں: جو تم نے ذکر کیا ہے اس کا احتمال ہے اگر ایسی دلیل نہ ہوتی جو اس احتمال کو دور کرتی ہے اور ظاہر حدیث سے اس کا رد ہوتا ہے جو ہم نے ذکر کی ہے۔ ائمہ حدیث نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے دنیا میں شراب پی پھر اس سے توبہ کی تو آخرت میں اس سے محروم کیا جائے گا''(2)۔ اصل ظاہر سے تمسک ہے حتی کہ کوئی ایسی نص وارد ہو جو اس کو رد کرے بلکہ جو ہم نے ذکر کیا ہے اس کی صحت پر نص وارد ہے اور وہ ابوداؤد طیالسی کی حدیث ہے جو انہوں نے اپنی مسند میں روایت کی ہے، ہشام نے ہمیں بتایا کہ انہوں نے قتادہ سے روایت کیا انہوں نے داؤد السراج سے روایت کیا انہوں نے حضرت ابوسعید خدری سے روایت کیا فرمایا: نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے دنیا میں ریشم پہنا وہ آخرت میں ریشم نہ پہنے گا اگرچہ جنت میں داخل بھی ہو جائے گا اہل جنت ریشم کو پہنیں گے اور وہ نہیں پہنے گا''(3) یہ صریح نص ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''اگرچہ وہ جنت میں داخل بھی ہوگا اہل

1۔ مسند امام احمد، 251، 11985، 16118

2۔ صحیح بخاری، کتاب الاشربۃ، جلد 2، صفحہ 836

3۔ المستدرک للحاکم، کتاب اللباس، جلد 4، صفحہ 191

جنت اسے پہنیں گے اور وہ نہیں پہنے گا'' یہ بالکل واضح بیان ہے اور اگر یہ راوی کے کلام سے ہو جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے تو بھی وہ بات کو زیادہ جاننے والا اور حال کا زیادہ واقف تھا اس کی مثل اپنی رائے سے نہیں کہا جاتا۔ واللہ اعلم۔

اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''جس نے شراب پی اور توبہ نہ کی'' اور آپ کا ارشاد ''جس نے سونے اور چاندی کے برتن استعمال کیے'' (یہ سب صریح اقوال ہیں) جس طرح وہ اپنے سے بلند درجہ والے کے مقام کی خواہش نہیں کرے گا اور یہ اس کے لیے سزا نہ ہوگی اسی طرح وہ جنت کی شراب، ریشم کی خواہش نہیں کرے گا اور یہ اس کے لیے سزا نہ ہوگی۔ میں نے اس پر تفصیلی بحث کتاب التذکرہ میں ذکر کی ہے۔ اور ہم نے اس میں ذکر کیا ہے کہ جنت کے درخت اور ان کے پھل جنت کے کپڑوں سے نکلیں گے۔ یہ سورۃ الکہف میں ہم نے ذکر کیا ہے۔

وَهُدُوْٓا اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ ۚ وَهُدُوْٓا اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِيْدِ ۝

''اور ان کی رہنمائی کی گئی تھی پاکیزہ قول کی طرف اور دکھایا گیا تھا انہیں راستہ اللہ تعالیٰ کا جو تعریف کیا گیا ہے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَهُدُوْٓا اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ اس کی راہنمائی کی گئی تھی پاکیزہ قول کی طرف۔ اس قول سے مراد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: لا الہ الا اللہ والحمد للہ کے کلمات ہیں۔ بعض نے کہا: اس سے مراد قرآن ہے۔ پھر بعض نے کہا: یہ دنیا میں ہے اور اس کی راہنمائی شہادت کی طرف اور قرآن کی طرف کی گئی ہے۔ وَهُدُوْٓا اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِيْدِ ۝ یعنی اللہ تعالیٰ کے راستہ کی طرف راہنمائی کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے راستہ سے مراد اس کا دین ہے اور وہ اسلام ہے۔ بعض نے کہا: آخرت میں پاکیزہ قول کی طرف ان کی راہنمائی کی گئی ہے اور الحمد للہ کا قول ہے کیونکہ کل کہیں گے الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا لِهٰذَا (الاعراف: 43) الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ (فاطر: 34) جنت کے اندر لغو اور جھوٹ نہ ہوگا جو وہ کہیں گے وہ پاکیزہ قول ہے وہ جنت میں اللہ کے راستہ کی طرف راہنمائی کیے گئے ہیں کیونکہ جنت میں اللہ تعالیٰ کے امر کی مخالفت والی کوئی چیز نہیں ہے۔ بعض نے فرمایا: پاکیزہ قول سے مراد اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والی بشارت ہے۔ وَهُدُوْٓا اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِيْدِ ۝ جنت کے راستہ کی طرف ان کی راہنمائی کی گئی ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِيْ جَعَلْنٰهُ لِلنَّاسِ سَوَآءَ ۨالْعَاكِفُ فِيْهِ وَالْبَادِ ۭ وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍۢ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝

''بیشک وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا اور (دوسروں کو) روکتے ہیں اللہ تعالیٰ کی راہ سے اور مسجد حرام سے جسے ہم نے (بلا امتیاز) سب لوگوں کے لیے (مرکز ہدایت) بنایا ہے یکساں ہیں اس میں وہاں کے رہنے والے اور پردیسی، اور جو ارادہ کرے اس میں زیادتی کا ناحق تو ہم اسے چکھائیں گے دردناک عذاب''۔

اس میں سات مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَيَصُدُّوْنَ کلام مشرکین مکہ کی طرف کیا جب انہوں نے

صلح حدیبیہ کے سال مسجد حرام سے رسول اللہ ﷺ کو روک دیا تھا۔ اس اجتماع سے پہلے آپ کو انکار روکنا معلوم نہ تھا مگر یہ کہ وہ روکنا مراد لیا جائے جو انہوں نے چند لوگوں کو روکا تھا یہ نبی کریم ﷺ کی بعثت کے آغاز میں تھا۔ الصد کا معنی روکنا یعنی وھم یصدون اس سے مستقبل کا ماضی پر عطف اچھا ہو جائے گا۔ بعض علماء نے کہا واؤ زائدہ ہے اور ویصدون ان کی خبر ہے۔ یہ مقصود معنی کو خراب کرتا ہے۔ والباد کے قول کے پاس خبر محذوف مقدر ہے۔ تقدیر عبارت یوں ہوگی: خسروا اذھلکوا اور ویصدون۔ مستقبل کا صیغہ آیا ہے کیونکہ یہ وہ فعل ہے جو وہ ہمیشہ کرتے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ تَطْمَىِٕنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ (الرعد: 28) گویا کہ فرمایا: وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا ان کی شان یہ ہے کہ وہ روکتے ہیں۔ اگر یوں ارشاد ہوتا: ان الذین کفروا وصدوا تو بھی جائز ہوتا ہے۔ نحاس نے کہا ابو اسحاق سے مروی میری کتاب میں ہے۔ فرمایا: یہ بھی جائز ہے کہ خبر نُذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ہو۔ ابو جعفر نے کہا: یہ غلط ہے۔ میں نہیں جانتا کہ اس میں کیا وجہ ہے کیونکہ اِنَّ کی خبر محذوف آئی نیز یہ جواب شرط ہے اگر یہ اِنَّ کی خبر ہو تو شرط بغیر جواب کے باقی ہوگی خصوصاً وہ فعل جو شرط میں سے مستقبل ہے پس اس کے لیے جواب کا ہونا ضروری ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ وَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ، بعض علماء نے فرمایا: اس سے مراد مسجد بھی ہے اور یہی قرآن کا ظاہر ہے کیونکہ اس کے علاوہ ذکر نہیں کیا۔ بعض نے کہا: اس سے مراد پورا حرم ہے کیونکہ مشرکین نے نبی پاک ﷺ اور آپ کے اصحاب کو حدیبیہ کے سال حرم سے روکا تھا تو آپ حرم سے باہر اترے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ (الفتح: 25) اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سُبْحٰنَ الَّذِيْۤ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ (الاسراء: 1) یہ صحیح ہے لیکن یہاں اس کے ذکر سے مراد وہ ہے جو مقصود ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: الَّذِيْ جَعَلْنٰهُ لِلنَّاسِ یعنی نماز، طواف اور عبادت کے لیے بنایا ہے یہ اس ارشاد کی مانند ہے: اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ (آل عمران: 96)

سَوَآءَ ۨالْعَاكِفُ فِيْهِ وَ الْبَادِ، العاکف سے مراد مقیم اور ملازم ہے اور البادی سے مراد دیہاتوں اور صحراؤں والے ہیں اور جو ان کے پاس آتے تھے، یعنی اس کی حرمت کی تعظیم میں اور احکام کی ادائیگی میں مقیم اور باہر سے آنے والا برابر نہیں۔ اہل مکہ، دور سے آنے والے سے زیادہ حقدار نہیں۔ بعض علماء نے فرمایا: اس مساوات سے مراد وہاں کے مکانات اور منازل میں برابری ہے۔ باہر سے آنے والے کی نسبت مقیم زیادہ مستحق نہیں یہ اس بنا پر ہے کہ مسجد حرام سے مراد سارا حرم ہو، یہ مجاہد اور امام مالک کا قول ہے ان سے ابن القاسم نے روایت کیا ہے۔ حضرت عمر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ایک جماعت سے مروی ہے (1) کہ مسجد حرام کی طرف آنے والا جہاں جگہ پائے وہاں رہ سکتا ہے اور مکان کے مالک کی مرضی ہے اسے ٹھہرائے یا انکار کرے؛ یہ سفیان وغیرہ کا قول ہے (2)۔ اسی طرح معاملہ صدر اول میں تھا مکانات بغیر دروازوں کے ہوتے تھے حتیٰ کہ کثرت سے چوریاں ہونے لگیں ایک شخص نے مکان کا دروازہ بنایا تو حضرت عمر نے اس پر انکار کیا اور فرمایا: کیا تو بیت اللہ کی

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 116　　2۔ ایضاً

زیارت کرنے والے پر دروازہ بند کرے گا۔ اس نے کہا: میں نے حاجیوں کے مال کی حفاظت کا ارادہ کیا ہے۔ پس حضرت عمر نے اسے چھوڑ دیا پھر لوگوں نے بھی مکانات کے دروازے بنائے۔ حضرت عمر بن خطاب سے مروی ہے کہ وہ حج کے موسم میں مکہ کے گھروں کے دروازے اکھیڑنے کا حکم دیتے تھے حتی کہ جو آتا ان میں داخل ہوتا اور جہاں چاہتا پڑاؤ کرتا اور گھروں میں خیمے لگائے جاتے تھے۔ امام مالک سے مروی ہے کہ مکہ کے گھر مسجد کی طرح نہیں گھر کے مالکوں کے لیے جائز ہے کہ وہ لوگوں کو ان سے روکیں اور اسی پر عمل ہے اور یہی جمہور علماء کا قول ہے (1)۔ یہ اختلاف دو اصل پر مبنی ہے ایک یہ کہ مکہ کے گھر کیا ان کے مالکوں کی ملک ہیں یا تمام لوگوں کے لیے ہیں۔ اس اختلاف کے دو سبب ہیں ایک یہ کہ کیا مکہ مکرمہ سختی کے ساتھ فتح کیا گیا تھا پھر تو یہ مال غنیمت ہوں گے لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تقسیم نہیں کیے تھے اور ان کے مالکوں کو وہاں ٹھہرائے رکھا اور ان کے بعد والوں کے لیے انہیں چھوڑ دیا جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عراق کی زمین کے ساتھ کیا تھا آپ نے ان کا خراج معاف کر دیا تھا اسی طرح ان کو غلام بھی نہیں بنایا اور ان پر یہ احسان کیا اور دوسرے کفار پر یہ احسان نہیں کیا۔ پس وہ اسی طرح باقی رہیں گے ان کو نہ بیچا جائے گا اور نہ ان کو کرائے پر دیا جائے گا جو کسی جگہ پر پہلے پہنچ گیا وہ اس کا زیادہ مستحق ہوگا۔ اسی طرح کا قول امام مالک اور امام ابوحنیفہ اور امام اوزاعی کا ہے۔ یا مکہ مکرمہ صلح کے ساتھ فتح ہوا؛ یہ امام شافعی کا نظریہ ہے پس ان کے دیار ان کے قبضہ میں رہیں گے اور جیسے چاہیں گے وہ اپنی املاک میں تصرف کریں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے صفوان بن امیہ کا گھر چار ہزار میں خریدا تھا اور اسے قید خانہ بنایا تھا (2)۔ حضرت عمر پہلے شخص ہیں جنہوں نے اسلام میں قید خانہ میں لوگوں کو قید کیا جیسا کہ اس کا بیان سورۃ المائدہ میں آیۃ المحاربین کے تحت گزر چکا ہے۔ روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تہمت لگانے کی وجہ سے جیل میں ڈالا۔ طاؤس مکہ میں قید کرنا ناپسند کرتے تھے اور وہ کہتے تھے: یہ مناسب نہیں کہ بیت رحمت میں بیت عذاب ہو۔

میں کہتا ہوں: صحیح وہ ہے جو امام مالک نے کہا، اس پر اخبار ثابتہ کا ظاہر دلالت کرتا ہے کہ مکہ سختی کے ساتھ فتح کیا گیا تھا۔ ابوعبید نے کہا: ہم نہیں جانتے کہ مکہ مکرمہ کے مشابہ کوئی شہر ہے۔ دارقطنی نے حضرت علقمہ بن نضلۃ سے روایت کیا ہے فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور شیخین کا وصال ہو گیا اور مکہ کے مکانوں کو سوائب کہا جاتا تھا جس کو ضرورت ہوتی وہ ان میں رہتا اور جسے ضرورت نہ ہوتی وہ دوسروں کو اس میں ٹھہراتا (3)۔

ایک روایت میں حضرت عثمان کا بھی ذکر ہے۔ حضرت علقمہ بن نضلۃ کنانی سے مروی ہے فرمایا: عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما میں مکہ کے گھروں کو السوائب کہا جاتا تھا انہیں بیچا نہیں جاتا تھا جو محتاج ہوتا وہ ان میں رہتا جسے ضرورت نہ ہوتی وہ دوسروں کو ٹھہراتا۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے مکہ کو حرم بنایا ہے اس کے مکانات کو بیچنا حرام ہے اور ان کی ثمن (قیمت) کھانا حرام ہے'' (4)۔ فرمایا: ''جس نے مکہ کے

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 116 2۔ سنن دارقطنی، کتاب البیوع، جلد 3، صفحہ 57، حدیث 224
3۔ ابن ماجہ، کتاب المناسک، باب اجر بیوت مکۃ، 3097 4۔ سنن دارقطنی، کتاب البیوع، جلد 3، صفحہ 57

مکانات کی اجرت سے کچھ کھایا تو اس نے آگ کو کھایا"۔ دار قطنی نے کہا: امام ابو حنیفہ نے اس کو مرفوع روایت کیا ہے اور اس میں انہیں وہم ہوا ہے اور اس قول میں بھی وہم ہوا ہے کہ انہوں نے راوی عبید اللہ بن ابی یزید ذکر کیا ہے جبکہ وہ ابن ابی زیاد القداح ہے۔ اور صحیح یہ ہے کہ یہ موقوف حدیث ہے۔ دار قطنی نے حضرت عبداللہ بن عمرو سے مسند ذکر کی ہے فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مکہ اونٹ بٹھانے کی جگہ ہے نہ اس کے مکانات بیچے جائیں گے اور نہ اس کے مکانات اجرت پر دیئے جائیں گے" (1)۔ ابو داؤد نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے فرماتی ہیں میں نے عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں منیٰ میں آپ کے لیے کوئی کمرہ یا عمارت نہ بنادوں جو آپ کو سورج کی دھوپ سے بچائے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "نہیں یہ مناخ ہے جو اس کی طرف سبقت لے جائے گا وہی مستحق ہے" (2)۔ امام شافعی نے اس قول سے استدلال کیا ہے: الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ اس میں دیار کی نسبت ان کی طرف کی گئی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن فرمایا: "جس نے دروازہ بند کر لیا وہ امن میں ہے، جو ابو سفیان کے گھر میں داخل ہو گیا وہ امن میں ہے"۔

مسئلہ نمبر 4۔ جمہور قراء نے سواء رفع کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ مبتدا ہے اور العاکف خبر ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: سواء خبر مقدم ہے اور یعنی العاکف فیه والباد سواء؛ یہ ابو علی کا قول ہے معنی یہ ہے کہ جس کو ہم نے لوگوں کے لیے قبلہ بنایا اور عبادت گاہ بنایا اس میں مقیم اور صحراء سے آنے والا برابر ہیں۔ حفص نے عاصم سے سواء نصب کے ساتھ روایت کیا ہے؛ یہ اعمش کی قرات ہے۔ یہ بھی دو وجہوں کا احتمال رکھتا ہے۔ ایک یہ کہ یہ جعل کا مفعول ثانی ہے اور اس کی وجہ سے العاکف پر رفع ہو کیونکہ یہ مصدر ہے اس نے اسم فاعل کی طرح عمل کیا کیونکہ یہ مستو کے معنی میں ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ جعلناہ کی ضمیر سے حال ہے۔ ایک فرقہ نے سواء نصب کے ساتھ اور العاکف اور البادی کو الناس پر عطف کی وجہ سے مجرور پڑھا ہے، تقدیر یوں ہوگی: الذی جعلناہ للناس العاکف والبادی۔ ابن کثیر کی قرأت وقف اور وصل میں یا کے ساتھ ہے۔ ابو عمرو نے بغیر یا کے وقف کیا ہے اور یا کے ساتھ وصل کیا ہے۔ نافع نے وصل اور وقف میں بغیر یا کے پڑھا ہے۔ علماء کا نفس مسجد حرام میں برابری پر اجماع ہے۔ اختلاف مکہ میں ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍۢ بِظُلْمٍ یہ شرط ہے اور اس کا جواب نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ہے لغت میں الحاد کا معنی مائل ہونا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ ظلم کے ساتھ مائل ہونا ہی مراد ہے۔ الظلم کے بارے میں اختلاف ہے علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہاں ظلم سے مراد شرک ہے۔ عطا نے کہا: شرک اور قتل ہے۔ بعض نے کہا: اس کا معنی کبوتروں کا شکار کرنا ہے اور درخت کاٹنا ہے اور بغیر احرام کے مکہ میں داخل ہونا ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ہم کہا کرتے تھے کہ حرم میں الحاد یہ ہے کہ انسان کہے: لا واللہ، وبلی واللہ، وکلا واللہ اسی وجہ سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے دو خیمے تھے ایک حل میں لگا ہوا تھا اور دوسرا حرم میں تھا جب آپ نماز پڑھنے کا ارادہ کرتے تو

1۔ المستدرک للحاکم، کتاب البیوع، جلد 2، صفحہ 53

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الحج، تحریم مکۃ، جلد 1، صفحہ 276، ایضاً 1726۔ ابن ماجہ، باب النزول بمنی، حدیث 2996، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

حرم والے خیمہ میں داخل ہو جاتے اور جب کوئی دوسرا کام کرنا ہوتا تو حل والے خیمہ میں داخل ہو جاتے تا کہ حرم کلا واللہ، بلی واللہ کے قول سے محفوظ رہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس میں گناہ کو بہت بڑا کہا ہے، اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کے بھی دو خیمے تھے ایک حل میں اور دوسرا حرم میں جب آپ اپنے گھر والوں کو عتاب کرنے کا ارادہ کرتے تو انہیں حل میں عتاب کرتے تھے اور جب نماز پڑھنے کا ارادہ کرتے تو حرم میں نماز پڑھتے اس کے بارے میں ان سے پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: ہم یہ کہتے تھے کہ حرم میں الحاد یہ ہے کہ ہم کہیں: کلا واللہ، بلی واللہ اور گناہ مکہ میں زیادہ ہوتے ہیں جس طرح نیکیاں زیادہ ملتی ہیں، پس ایک معصیت دو معصیتیں بن جاتی ہے۔ ایک تو حکم شرعی کی مخالفت کرنا ہے دوسرا بیت اللہ کی حرمت کو ساقط کرنا ہے۔ اسی طرح حرمت والے مہینے برابر ہیں یہ پہلے گزر چکا ہے۔ ابوداؤد نے حضرت یعلی بن امیہ سے روایت کیا ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''حرم میں کھانے کو ذخیرہ کرنا اس میں الحاد ہے'' (1)۔ یہ حضرت عمر بن خطاب کا قول ہے۔ عموم ان تمام چیزوں کو شامل ہے۔ (2)

مسئلہ نمبر 6۔ علماء کی ایک جماعت کا خیال ہے جن میں ضحاک اور ابن زید ہیں کہ یہ آیت کریمہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ انسان کو مکہ میں نیت پر بھی عقاب کیا جائے گا اگرچہ عمل نہ بھی کیا ہو، یہی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے انہوں نے فرمایا: اگر کوئی بیت اللہ میں کسی کو قتل کرنے کا ارادہ کرے جبکہ وہ عدن ابین میں ہو تو اللہ تعالیٰ اسے عذاب دے گا۔

میں کہتا ہوں: یہ صحیح ہے یہی مفہوم سورۂ ن والقلم میں واضح طور پر آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

مسئلہ نمبر 7۔ بالحاد میں باء زائدہ ہے جس طرح تَنۢبُتُ بِالدُّهْنِ (المومنون: 9) میں زائدہ ہے۔ اسی پر شاعر کا قول محمول ہے:

نحن بنو جَعْدَة أصحاب الفَلَج نضرب بالسيف ونرجو بالفَرَج

مراد نرجو الفرج ہے۔ اعشیٰ نے کہا: ضمنت برزق عيالنا أرماحنا مراد رزق ہے باء زائدہ ہے۔ ایک اور شاعر نے کہا:

ألم يأتيك والأنباء تَنْمِي بما لاقت لَبُون بني زياد

مراد مالاقت ہے باء زائدہ ہے۔ باء کے زائدہ ہونے کی بہت سی مثالیں ہیں۔ فراء نے کہا: میں نے ایک عرب کو سنا میں نے اس سے کسی چیز کے بارے میں پوچھا تو اس نے کہا: ارجو بذالك یعنی ارجو ذالك۔

شاعر نے کہا:

بوادٍ يمانٍ يُنبت الشثَّ صدرُه وأسفله بالمَرْخ والشَّبَهان

مراد المرخ ہے باء زائدہ ہے: یہ اخفش کا قول ہے اس کے نزدیک اس کا معنی ہے: ومن يرد فيه الحاد أبفلم۔ کوفیوں نے کہا: باء داخل ہوتی ہے کیونکہ معنی ہے بان یلحد باء ان کے ساتھ داخل ہوتی ہے اور حذف کی جاتی ہے یہ تقدیر ہونا بھی جائز ہے

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الحج، باب تحریم مکۃ، جلد 1، صفحہ 276۔ ایضاً، حدیث 1727، ضیاء القرآن پبلی کیشنز 2۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 116

ومن یرد الناس فیہ بالحاد یہ الحاد اور ظلم کفر سے لیکر صغائر تک تمام گناہوں کو شامل ہیں۔ اس مکان کی حرمت کی تعظیم کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس میں گناہ کی نیت پر بھی سخت وعید سنائی ہے جس نے گناہ کی نیت کی اور گناہ نہ کیا تو اس کا محاسبہ نہ ہوگا مگر مکہ میں؛ یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور اصحاب کی ایک جماعت اور دوسرے لوگوں کا قول ہے ابھی ہم نے ذکر کیا ہے۔

وَ اِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِیْمَ مَكَانَ الْبَیْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِیْ شَیْـًٔا وَّ طَهِّرْ بَیْتِیَ لِلطَّآىِٕفِیْنَ وَ الْقَآىِٕمِیْنَ وَ الرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۲۶﴾

''اور یاد کرو جب ہم نے مقرر کردی ابراہیم کے لیے اس گھر کے (تعمیر کرنے) کی جگہ اور حکم دیا کہ شریک نہ ٹھہرانا میرے ساتھ کسی چیز کو اور صاف ستھرا رکھنا میرے گھر کو طواف کرنے والوں، قیام کرنے والوں اور رکوع وسجود کرنے والوں کے لیے''۔

اس میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِیْمَ مَكَانَ الْبَیْتِ، یعنی اذکر اذبوانا، اذ سے پہلے اذکر محذوف ہے۔ کہا جاتا ہے: بوأتہ منزلاً، بوات لہ، جیسے کہا جاتا ہے: مکنتك ومکنت لك، لِاِبْرٰهِیْمَ میں لام تاکید کے لیے صلہ ہے جیسے ارشاد ہے: رَدِفَ لَكُمْ (النمل: 72) یہ فراء کا قول ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِیْمَ مَكَانَ الْبَیْتِ۔ یعنی ہم نے اسے اس کی بنیاد دکھائی تاکہ وہ اسے تعمیر کریں جبکہ طوفان نے اسے روند دیا تھا۔ جب حضرت ابراہیم کا زمانہ آیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو تعمیر کرنے کا حکم فرمایا۔ حضرت ابراہیم اس کی جگہ پر آئے اور اس کے نشانات تلاش کرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک ہوا چلائی جس نے حضرت آدم علیہ السلام کی بنیاد سے پردہ ہٹادیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس پر اس کی بنیاد رکھی جیسا کہ پہلے سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ بعض علماء نے کہا: بوانا یہ اس فعل کے قائم مقام ہے جو لام کے ساتھ متعدی ہوتا ہے جیسے جعلنا یعنی جعلنا لابراہیم مکان البیت مبوأ۔ شاعر نے کہا:

کم من أخ لی ماجد بوأتہ بیدی لحداً

مسئلہ نمبر 2۔ اَنْ لَّا تُشْرِكْ جمہور علماء کا قول ہے کہ یہ خطاب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہے۔ عکرمہ نے ان لا یشرك یاء کے ساتھ پڑھا ہے اس قول کے معنی کی نقل پر جو انہیں کہا گیا۔ ابوحاتم نے کہا: اس قرأت کی بنا پر کاف کو نصب ضروری ہے بمعنی لئلا یشرك۔ بعض نے کہا: انْ مخففہ من الثقیلہ ہے۔ بعض نے کہا: انْ مفسرہ ہے۔ بعض نے کہا: انْ زائدہ ہے جیسے فَلَمَّاۤ اَنْ جَآءَ الْبَشِیْرُ (یوسف: 96) آیت میں بیت اللہ کے رہنے والوں میں سے شرک کرنے والوں پر طعن ہے یعنی یہ تمہارے باپ پر اور ان کے بعد والوں پر اور تم پر شرط تھی تم نے اسے وفا نہیں کیا بلکہ تم نے شرک کیا۔ ایک فرقہ نے کہا: اَنْ لَّا تُشْرِكْ میں خطاب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے آپ کو بیت اللہ کی تطہیر اور حج کے اعلان کرنے کا حکم دیا گیا۔ جمہور علماء فرماتے ہیں: یہ خطاب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہے۔ یہ اصح ہے۔ بیت اللہ کی طہارت سے مراد کفر، بدعت، خون اور تمام نجاستوں سے طہارت ہے۔ بعض نے فرمایا: بتوں سے طہارت ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ

مِنَ الْاَوْثَانِ۔ یہ اس وجہ سے تھا کہ جرہم اور عمالقہ قبائل کے بیت اللہ کی جگہ اور اس کے اردگرد بت موجود تھے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعمیر سے پہلے موجود تھے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا مطلب ہے میرے گھر کو پاک رکھو اس سے کہ اس میں کسی بت کی عبادت کی جائے۔ یہ اس میں توحید کے اظہار کا امر ہے۔ مسجد حرام اور دوسری مساجد کی طہارت وصفائی میں علماء کے جو اقوال ہیں وہ سورۂ برأت میں گزر چکے ہیں۔ القائمون سے مراد نمازی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے نماز کے ارکان میں سے عظیم ترین ارکان کا ذکر کیا ہے وہ قیام، رکوع اور سجدہ ہیں۔

وَ اَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّ عَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ﴿۲۷﴾

''اور اعلان عام کردو لوگوں میں حج کا وہ آئیں گے آپ کے پاس پاپیادہ اور ہر دبلی اونٹنی پر سوار ہو کر جو آتی ہیں ہر دور دراز راستہ سے''۔

اس میں سات مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ جمہور لوگوں نے اذن ذال کے شد کے ساتھ پڑھا ہے۔ حسن بن ابی حسن اور ابن محیصن نے آذن ذال کی تخفیف اور الف کی مد کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابن عطیہ نے کہا: علی بن حمزہ نے اس میں تصحیف کی ہے کیونکہ انہوں نے حسن اور ابن محیصن سے حکایت کیا ہے واذن اس بناء پر کہ یہ فعل ماضی ہے اور اس کو اس بنا پر ہونا پر معطوف کیا ہے۔ الاذان کا معنی آگاہ کرنا ہے۔ یہ پہلے سورۂ برات میں گزر چکا ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کعبہ کی تعمیر سے فارغ ہوئے(1) تو انہیں کہا گیا کہ لوگوں میں حج کا اعلان کرو آپ نے عرض کی: یارب! میری آواز کہاں تک پہنچے گی؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم اعلان کرو پیغام پہنچانا میرا کام ہے۔ حضرت ابراہیم جبل ابی قبیس پر چڑھے اور بلند آواز سے کہا: اے لوگو! اللہ تعالیٰ تمہیں اس گھر کے حج کا حکم فرماتا ہے تاکہ تمہیں اس کے بدلے جنت دے اور تمہیں آگ کے عذاب سے بچائے، پس تم حج کرو۔ جو لوگ مردوں کی صلبوں اور عورتوں کے رحموں میں تھے انہوں نے جواب دیا: لبیک اللھم لبیک۔ جس نے جواب دیا وہ اپنے جواب کی مقدار میں حج کرے گا اگر ایک مرتبہ لبیک کہا ہوگا تو اسے ایک مرتبہ حج کی سعادت ملے گی اور جس نے دو مرتبہ لبیک کہا ہوگا اسے دو مرتبہ حج کی سعادت ملے گی۔ اس پر تلبیہ جاری ہوا؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابن جبیر کا قول ہے(2)۔ ابو طفیل سے مروی ہے فرمایا مجھے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو تلبیہ کی اصل کیا ہے؟ میں نے کہا: نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب ابراہیم علیہ السلام کو لوگوں میں حج کا اعلان کرنے کا حکم دیا گیا تو سارے پہاڑ پست ہو گئے اور تمام شہر بلند ہو گئے آپ نے ان لوگوں میں حج کا اعلان کیا ہر چیز نے آپ کو جواب دیا: لبیک اللھم لبیک، بعض علماء نے فرمایا: خطاب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہے اور السجود کے قول پر کلام مکمل ہوئی پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کیا اور فرمایا: اَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ لوگوں میں حج کا اعلان کرو۔ تیسرا قول یہ ہے کہ اَنْ لَّا تُشْرِكْ کے قول میں خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے؛ یہ

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 117 2۔ ایضاً

اہل نظر کا قول ہے کیونکہ قرآن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا ہے پس قرآن میں جو بھی خطاب ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی ہے مگر یہ کہ اس کے علاوہ پر کوئی قطعی دلیل موجود ہو یہاں ایک اور دلیل بھی ہے جو دلالت کرتی ہے کہ خطاب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اور وہ ان لا تشرك بی تا کے ساتھ ہے۔ اس صیغہ سے خطاب اسے کیا جاتا ہے جو سامنے موجود ہو جبکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام غائب تھے اس بنا پر مفہوم یہ ہوگا جب ہم نے ابراہیم کے لیے بیت اللہ کی جگہ متعین کی اور ہم نے اللہ تعالیٰ کی توحید پر تمہارے لیے دلائل بنا دیئے اور اس پر بھی دلائل قائم کردیئے کہ ابراہیم علیہ السلام اللہ کی عبادت کرتے تھے۔ جمہور علماء نے بالحج حا کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اور ابن ابی اسحاق نے ہر جگہ حا کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ندا اس پوری شریعت کے لیے تھی جس کا آپ کو حکم دیا گیا تھا۔

مسئلہ نمبر 3۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّ عَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ وعدہ فرمایا کہ لوگ پیدل اور سوار ہو کر حج کرنے کے لیے آئیں گے فرمایا: یَاْتُوْكَ تیرے پاس آئیں گے اگرچہ لوگ کعبہ کی طرف آئیں گے۔ یہ اس لیے فرمایا کیونکہ ندا کرنے والے آپ ہی تھے جو کعبہ کی طرف حج کرنے کے لیے آیا تو گویا وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آیا کیونکہ اس نے آپ کی ندا کا جواب دیا۔ اس میں حضرت ابراہیم کو شرف بخشا گیا ہے۔ ابن عطیہ نے کہا: رجالا جمع ہے راجل کی جیسے تاجِر کی جمع تجار ہے۔ صاحب کی جمع صِحاب ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: رجال، رجُل کی جمع ہے اور الرجُل، راجل کی جمع ہے جیسے تاجر کی جمع تجر اور تجر کی جمع تِجار ہے جیسے صاحب کی جمع صحب اور اس کی جمع صِحاب ہے۔ کبھی جمع میں رُجّال جیم کی شد کے ساتھ بھی کہا جاتا ہے جیسے کافر کی کُفّار ہے۔ ابن ابی اسحاق (1) اور عکرمہ نے رُجالاً راء کے ضمہ اور جیم کی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ جمع کی بناؤں میں بہت کم ہے یہ مجاہد سے روایت کیا گیا ہے اور مجاہد نے فُعالی کے وزن پر رُجالی پڑھا ہے جیسے کسالی۔ نحاس نے کہا: راجل کی جمع میں پانچ صورتیں ہیں۔ رُجال جیسے رُکاب۔ یہ عکرمہ سے مروی ہے۔ رِجال جیسے قیام۔ رَجْلَةٌ، رَجْلٌ، رجالة اور مجاہد سے رُجالیٰ مروی ہے وہ غیر معروف ہے۔ مناسب غیر منون ہوتا ہے جیسے کسالی اور سکاریٰ ہیں۔ اگر اس کو تنوین دی جاتی تو یہ فعال کے وزن پر ہوتا اور فُعَال جمع میں بہت قلیل ہے۔ الرجال کو الرکبان سے مقدم کیا گیا ہے کیونکہ چلنے میں انہیں تھکاوٹ زیادہ ہوتی ہے۔

وَّ عَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ، ضامر کا معنی ضوامر ہے۔ فراء نے کہا: لفظ کی بناء پر یاتی صیغہ بھی جائز ہے۔ الضامر اس کمزور اونٹ کو کہتے ہیں جس کو سفر نے تھکا دیا ہو۔ کہا جاتا ہے: ضَمُرَ يَضْمُرُ ضمورا۔ اللہ تعالیٰ نے مآل کے اعتبار سے وصف بیان کیا جو کہ پہنچ کر انہیں لاحق ہوتا ہے۔ کمزور ہونے کا سبب ذکر کیا ہے اور فرمایا: يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ یعنی اس میں سفر کی طوالت نے اثر کیا۔ ضمیر کو اونٹ کی صرف لوٹایا انہیں اعزاز دینے کے لیے کیونکہ مالکوں کے ساتھ حج کا قصد کرتے ہیں جیسے فرمایا: وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا (العادیات) یہ جہاد والے گھوڑوں کے بارے میں فرمایا انہیں شرف دینے کے لیے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں دوڑے۔

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 117

مسئلہ نمبر 4۔ بعض علماء نے فرمایا کہ رجالاً فرمایا ہے کیونکہ اکثر حج کے لیے مرد جاتے ہیں عورتیں کم جاتی ہیں پس رجالاً کا ارشاد یہ اس قول سے ہے: ھذا رجل اور اس میں بعد ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَّعَلٰی كُلِّ ضَامِرٍ اس سے مراد سوار ہیں۔ اس میں مرد اور عورت دونوں شامل ہیں جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: رجالاً اور ان کے ساتھ آغاز کیا۔ یہ دلیل ہے کہ پیدل حج کرنا، سوار ہو کر حج کرنے سے افضل ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: میں کسی چیز سے پریشان نہیں جو مجھ سے فوت ہوئی مگر یہ کہ میں نے پیدل حج نہیں کیا(1) میں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: یَاْتُوْكَ رِجَالًا، ابن ابی نجیح نے کہا: حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام نے پیدل حج کیا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ (2) کے اصحاب نے یاتون: یہ ابن ابی عبلۃ اور ضحاک کی قرأت ہے اور ضمیر لوگوں کے لیے ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ سوار ہونے اور چلنے کے جواز میں اختلاف ہے، ان میں سے افضل میں اختلاف ہے۔ امام مالک اور امام شافعی کا خیال ہے کہ سوار ہونا افضل ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس میں اقتدا ہے اور اس میں اخراجات بھی زیادہ ہوتے ہیں اور سواری کی تیاری کے ساتھ حج کے شعائر کی تعظیم بھی ہوتی ہے۔ دوسرے علماء کا خیال ہے کہ پیدل حج کرنا افضل ہے کیونکہ اس میں نفس کی مشقت ہے۔ حضرت ابو سعید کی حدیث میں ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے مدینہ طیبہ سے مکہ مکرمہ کی طرف پیدل حج کیا اور فرمایا: ''اپنی کمروں کو اپنے ازاروں کے ساتھ مضبوطی سے باندھ لو'' (3)۔ اور آپ تھوڑے تیز چلے۔ ابن ماجہ نے اس کو اپنی سنن میں تخریج کیا ہے۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ تمام مناسک میں امام مالک کے نزدیک سوار ہونا افضل ہے کیونکہ اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا ہے۔

مسئلہ نمبر 6۔ بعض علماء نے اس آیت سے بحر کے ذکر کے سقوط سے یہ استدلال کیا ہے کہ بحر کی وجہ سے حج کا فرض ساقط ہو جاتا ہے۔ امام مالک نے ''الموازیہ'' میں فرمایا: میں بحر (دریا) کا ذکر نہیں سنتا یہ تانس ہے (4)۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ دریا کے ذکر کے سقوط سے فرض کا سقوط ہو جائے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مکہ سمندر کے ساحل پر نہیں ہے کہ لوگ اس کی طرف کشتیاں لیکر آئیں۔ پس جو دریا پر سوار ہو کر آئے اس کے لیے بھی مکہ کی طرف پیدل یا سوار ہو کر آنا ضروری ہے پس پہنچنے کی دونوں حالتیں ذکر کی گئی ہیں صرف دریا کی وجہ سے حج کے فرض کا اسقاط ہے اس میں کثرت وقلت نہیں ہے مگر جب کسی شخص کو دشمن کا خوف ہو یا کوئی اور خوفناک صورت ہو یا کوئی مرض لاحق ہو تو امام مالک، امام شافعی اور جمہور علماء ان اعذار کی وجہ سے وجوب کے سقوط کے قائل ہیں اسے استطاعت حج نہیں ہے (5)۔ ابن عطیہ نے کہا: صاحب الاستظہار نے اس مفہوم میں کلام کی ہے۔ اس کا ظاہر یہ ہے کہ ان اعذار کی وجہ سے وجوب ساقط نہیں ہوتا۔ یہ ضعیف قول ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ انتہائی ضعیف ہے اس کا بیان سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ الفج، کھلا راستہ۔ اس کی جمع فجاج ہے یہ سورۃ الانبیاء میں گزر چکا ہے۔ العمیق کا معنی بعید ہے۔ جماعت کی قرأت (یاتین) ہے اور حضرت عبد اللہ کے اصحاب نے یاتون

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 118
2۔ ایضاً
3۔ سنن ابن ماجہ، کتاب المناسک، باب الحج ماشیا، صفحہ 232
4۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 118
5۔ ایضاً

پڑھا ہے یہ سواروں کے اعتبار سے ہے اور یاتین اونٹوں کے اعتبار سے ہے گویا فرمایا: علی ابل ضامرۃ یاتین۔ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ۔ عمیق کا معنی دور ہے اسی سے ہے بئر عمیقۃ جو کنواں بہت گہرا ہو اسی سے ہے:

وقاتمِ الأعماق خاوِی المخترق

مسئلہ نمبر 7۔ علماء کا اختلاف ہے جو بیت اللہ تک پہنچے تو کیا بیت اللہ کو دیکھتے وقت ہاتھ بلند کرے یا نہیں۔ ابو داؤد نے روایت کیا ہے فرمایا: حضرت جابر بن عبد اللہ سے اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جو بیت اللہ کو دیکھتا ہے اور اپنے ہاتھوں کو بلند کرتا ہے۔ حضرت جابر بن عبد اللہ نے فرمایا: میں نے تو کسی کو ایسا کرتے نہیں دیکھا سوائے یہود کے۔ ہم نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کیا ہم نے ایسا نہیں کیا تھا(1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سات مقامات پر ہاتھ بلند کیے جائیں گے۔ نماز کے آغاز میں، بیت اللہ کے استقبال میں۔ صفا پر، مروۃ پر، دونوں مواقف میں اور دونوں جمروں کے پاس''۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کو امام ثوری، ابن المبارک، امام احمد اور اسحاق نے لیا ہے اور حضرت جابر کی حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے کیونکہ مہاجر مکی مجہول راوی ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما بیت اللہ کو دیکھتے وقت ہاتھ بلند کرتے تھے اسی طرح کا عمل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔

لِّيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَ يَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْۤ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ۚ فَكُلُوْا مِنْهَا وَ اَطْعِمُوا الْبَآىِٕسَ الْفَقِيْرَ ﴿۲۸﴾ ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴿۲۹﴾

''(اعلان کیجئے) تاکہ وہ حاضر ہوں اپنے (دینی دنیوی) فائدوں کے لیے اور ذکر کریں اللہ تعالیٰ کے نام کا مقررہ دنوں میں ان بے زبان چوپائیوں پر (ذبح کے وقت) جو اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا فرمائے ہیں۔ پس خود بھی کھاؤ ان سے اور کھلاؤ مصیبت زدہ محتاج کو۔ پھر چاہیے کہ دور کریں اپنی میل کچیل اور پوری کریں اپنی نذریں اور طواف کریں ایسے گھر کا جو بہت قدیم ہے''۔

اس میں تیئس مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لِّيَشْهَدُوْا حج کا اعلان کرو وہ تمہارے پاس پیدل اور سوار ہو کر آئیں گے تاکہ وہ حاضر ہوں۔ الشہود کا معنی حاضر ہونا ہے۔ مَنَافِعَ لَهُمْ منافع سے مراد مناسک ہیں جیسے عرفات اور مزدلفہ میں قیام۔ اور بعض نے فرمایا: اس سے مراد مغفرت ہے۔ بعض نے کہا: تجارت ہے۔ بعض نے کہا: یہ عام ہے یعنی وہ حاضر ہوں دنیا و آخرت کے ان امور کے لیے جن سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے؛ یہ مجاہد، عطا کا قول ہے اور ابن عربی نے اس کو پسند کیا ہے یہ قول، عبادت، تجارت، مغفرت اور دنیوی و آخروی تمام منفعتوں کو جامع ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ (البقرہ: 198) سے مراد تجارت ہے۔

1۔ سنن ابی داؤد، باب فی رفع الیدین اذا رأی البیت، 1594

مسئلہ نمبر2۔ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ، الایام المعلومات اور المعدودات پر سورۂ بقرہ میں گفتگو گزر چکی ہے۔ اللہ کے اسم کے ذکر سے مراد ذبح اور نحر کے وقت بسم اللہ کا ذکر کرنا ہے جیسے تیرا قول ہے: باسم اللہ واللہ اکبر اللھم منک ولک، اور ذبح کے وقت تیرے قول: اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ (الانعام: 162) کی مثل۔

مسئلہ نمبر3۔ دسویں ذی الحج کو ذبح کرنے کے وقت میں اختلاف ہے۔ امام مالک نے فرمایا: امام کی نماز اور اس کی ذبح کے بعد اس کا وقت ہے مگر یہ کہ وہ اتنی زیادہ تاخیر کرے کہ اقتدا ساقط ہو جائے سوا اس سے پہلے ذبح کرنا جائز ہے۔ امام ابوحنیفہ نے امام کے نماز سے فارغ ہونے کی رعایت کی ہے ذبح کا خیال نہیں کیا۔ امام شافعی نے نماز کے وقت کے دخول اور دو خطبوں کے ساتھ نماز کے وقوع کی مقدار وقت کا خیال کیا ہے۔ امام شافعی نے وقت کا اعتبار کیا ہے نماز کا نہیں، یہ امام شافعی سے مزنی کی روایت ہے یہی طبری کا قول ہے۔ ربیع نے بویطی سے روایت کیا ہے فرمایا امام شافعی نے فرمایا: کوئی ذبح نہ کرے حتی کہ امام ذبح کرے مگر یہ کہ وہ ایسا ہو کہ ذبح نہ کرتا ہو۔

جب نماز پڑھ لے اور خطبہ سے فارغ ہو جائے تو ذبح کا وقت ہو جاتا ہے۔ یہ مالک کے قول کی طرح ہے۔ امام احمد نے کہا: جب امام واپس آئے تو تو ذبح کر؛ یہ ابراہیم کا قول ہے۔ ان اقوال میں سے اصح امام مالک کا قول ہے کیونکہ حضرت جابر بن عبداللہ کی حدیث ہے فرمایا: ہمیں دسویں ذی الحجہ کو نبی پاک ﷺ نے مدینہ طیبہ میں نماز پڑھائی لوگ آگے بڑھے اور جانوروں کو نحر کیا انہوں نے خیال کیا کہ نبی کریم ﷺ نحر کر چکے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے حکم دیا کہ جو نحر کر چکا ہے وہ دوبارہ نحر کرے اور نحر نہ کرو یہاں تک کہ نبی کریم ﷺ نحر کر لیں (1)۔ اس کو امام مسلم اور امام ترمذی نے تخریج کیا ہے فرمایا: یہ حضرت جابر، حضرت جندب، حضرت انس، حضرت عویمر بن اشقر، حضرت ابن عمر و اور حضرت ابوزید انصاری سے بھی مروی ہے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

اہل علم کے نزدیک اس پر عمل ہے کہ شہر میں قربانی نہ کی جائے یہاں تک کہ امام قربانی کر لے۔ امام ابوحنیفہ نے حضرت براء کی حدیث سے حجت پکڑی ہے اس میں ہے۔ ''جس نے نماز کے بعد ذبح کیا اس کی قربانی مکمل ہوئی اور اس نے مسلمانوں کی سنت کو پالیا'' (2)۔ اس حدیث کو امام مسلم نے بھی تخریج کیا ہے۔ ذبح کو نماز پر معلق کیا ہے اور ذبح کو ذکر نہیں کیا اور حضرت جابر کی حدیث اس کو مقید کرتی ہے۔ اسی طرح حضرت براء کی حدیث ہے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: ''آج ہم سب سے پہلے نماز پڑھیں گے پھر واپس آئیں گے اور نحر کریں گے جس نے ایسا کیا اس نے ہماری سنت کو پالیا'' (3)۔ ابو عمر بن عبدالبر نے کہا: میں علماء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں جانتا کہ نماز سے پہلے ذبح کرے اور وہ شہری آدمی ہو تو وہ قربانی کرنے والا نہیں ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''جس نے نماز سے پہلے ذبح کیا وہ گوشت ہے'' (4)۔

مسئلہ نمبر4۔ رہے دیہاتوں میں رہنے والے اور جن کا امام نہیں ہوتا تو امام مالک کا ان کے متعلق قول یہ ہے کہ وہ امام کے ذبح کے وقت یا قریبی آئمہ کے ذبح کے وقت کی تحری کریں۔ ربیعہ اور عطا نے کہا: جس کا امام نہیں ہے اگر وہ سورج

1۔ صحیح مسلم، کتاب الاضحی، سن الاضحیۃ، جلد 2، صفحہ 155 2۔ ایضاً، جلد 2، صفحہ 154 3۔ ایضاً 4۔ ایضاً

کے طلوع ہونے سے پہلے ذبح کرے گا تو جائز نہ ہوگا اگر سورج کے طلوع ہونے کے بعد ذبح کرے گا تو جائز ہوگا۔ اہل الرائے نے کہا: فجر کے بعد جائز ہے؛ یہی ابن المبارک کا قول ہے۔ اس کو امام ترمذی نے ابن المبارک سے روایت کیا ہے اور انہوں نے اس قول سے استدلال کیا ہے۔ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِي أَيَّامٍ مَعْلُومَاتٍ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُمْ مِنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ۔ نحر کی اضافت یوم کی طرف ہے کیا الیوم کے لفظ کا اطلاق طلوع فجر سے ہوتا ہے یا سورج کے طلوع ہونے سے ہوتا ہے۔

اس میں دو قول ہیں: اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ قربانی کا ذبح کرنا دسویں کے دن فجر کے طلوع ہونے سے پہلے جائز نہیں۔

مسئلہ نمبر 5۔ علماء کا اختلاف ہے کہ ایام النحر کتنے ہیں؟ امام مالک نے فرمایا: تین دن ہیں۔ دسویں کا دن اور اس کے بعد دو دن۔ یہی قول امام ابو حنیفہ، امام ثوری اور امام احمد بن حنبل کا ہے یہ حضرت ابو ہریرہ اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہما سے مروی ہے ان سے کوئی اختلاف مروی نہیں ہے۔ امام شافعی نے فرمایا: چار دن ہیں۔ دسویں کا دن اور اس کے بعد تین دن۔ یہی اوزاعی کا قول ہے اور یہی حضرت علی، حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم کا قول ہے ان کی مثل امام مالک اور امام احمد کا قول ہے۔ بعض نے فرمایا: خاص دسویں کا دن ہے یعنی دس ذی الحجہ کا دن ہے۔ ابن سیرین سے یہ مروی ہے۔ حضرت سعید بن جبیر اور حضرت جابر بن زید سے مروی ہے کہ ان دونوں نے کہا: شہروں میں ایک دن ہے اور منٰی میں تین دن ہیں۔ حسن بصری سے اس کے متعلق تین روایات ہیں۔ ایک وہ جو امام مالک کا قول ہے۔ دوسرا وہ جو امام شافعی کا قول ہے۔ تیسرا یہ کہ ذی الحجہ کے آخری دن تک جب محرم کا چاند دیکھے تو اس پر قربانی نہیں۔

میں کہتا ہوں: یہ سلیمان بن یسار اور ابو سلمہ بن عبد الرحمن کا قول ہے انہوں نے مرسل حدیث روایت کی ہے جو دار قطنی نے نقل کی ہے۔ الضحایا الی هلال ذی الحجة (1)، قربانیاں ذی الحجہ کے چاند تک ہو سکتی ہیں۔ یہ حدیث صحیح نہیں۔ اور ہماری دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: فِي أَيَّامٍ مَعْلُومَاتٍ یہ جمع قلت ہے لیکن اس میں یقینی تین دن ہیں اور جو تین دنوں کے بعد ہیں وہ غیر یقینی ہیں اس لیے ان پر عمل نہیں کیا جائے گا۔ ابو عمر بن عبد البر نے کہا: علماء کا اجماع ہے کہ دسویں کا دن قربانی کا دن ہے اور اس پر بھی اجماع ہے کہ ذی الحجہ کے گزرنے کے بعد قربانی نہیں ہے۔ میرے نزدیک اس میں صرف دو قول صحیح ہیں۔ ایک امام مالک اور کوفیوں کا قول اور دوسرا امام شافعی اور شامیوں کا قول۔ یہ دونوں قول صحابہ کرام سے مروی ہیں ان کے مخالف قول کے ساتھ مشغول ہونے کا کوئی معنی نہیں۔ جو اقوال ان دو قولوں کے مخالف ہیں اس کی سنت میں اور صحابہ کے اقوال میں کوئی اصل نہیں ہے۔ اور جو ان دو اقوال سے خارج ہیں انہیں چھوڑ دیا جائے گا۔ قتادہ سے ایک چھٹا قول بھی مروی ہے وہ یہ ہے کہ قربانی کا دن دسویں کا دن ہے اور اس کے بعد چھ دن ہیں۔ یہ صحابہ کے قول سے خارج ہے اس کا کوئی معنی نہیں۔

مسئلہ نمبر 6۔ علماء کا اختلاف ہے کہ راتیں بھی دنوں کے ساتھ داخل ہیں ان میں ذبح کرنا جائز ہے یا نہیں۔ امام مالک سے مشہور یہ ہے کہ راتیں داخل نہیں اور رات کو ذبح کرنا جائز نہیں یہی جمہور اصحاب اور اصحاب رائے کا موقف ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِي أَيَّامٍ یہاں ایام کو ذکر کیا اور ایام کا ذکر دلیل ہے کہ ذبح رات کو جائز

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الاضحی، جلد 2، صفحہ 30

نہیں۔ امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام احمد، ابوثور نے کہا: راتیں دنوں میں داخل ہیں اور اس میں ذبح جائز ہے۔ امام مالک اور اشہب سے اسی طرح مروی ہے اور اشہب کے نزدیک ہدی اور قربانی کے درمیان فرق ہے۔ ہدی رات کو ذبح کرنے کی اجازت دی اور قربانی رات کو ذبح کرنے کی اجازت نہیں دی۔

مسئلہ نمبر 7۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: عَلٰی مَا رَزَقَهُمْ جو اس نے انہیں دیا اس کو ذبح کرنے پر۔ مِّنْۢ بَهِیْمَةِ الْاَنْعَامِ، الانعام سے مراد یہاں اونٹ، گائے اور بکری ہیں اور بھیمۃ الانعام سے مراد جانور ہیں یہ اس طرح ہے جیسے: صلاۃ الاولیٰ اور مسجد الجامع ہے۔

مسئلہ نمبر 8۔ فَكُلُوْا مِنْهَا یہ امر کا صیغہ ہے اور جمہور علماء کے نزدیک استحباب کے معنی میں ہے۔ مستحب ہے کہ آدمی اپنی ہدی اور قربانی سے کھائے اور اکثر صدقہ کردے مگر سارا گوشت صدقہ کرنا اور سارا گوشت خود کھانا بھی جائز ہے۔ ایک طائفہ نے شاذ قول کہا ہے کہ خود کھانا اور دوسروں کو کھلانا واجب ہے ان کا استدلال اس آیت کے ظاہر سے ہے اور نبی کریم ﷺ کے ارشاد سے ہے کہ ''کھاؤ اور ذخیرہ کرو اور صدقہ کرو'' (1)۔ الکیا نے کہا: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَكُلُوْا مِنْهَا وَ اَطْعِمُوا دلیل ہے کہ سارا گوشت بیچنا جائز نہیں اور سارا گوشت صدقہ کرنا بھی نہیں جائز ہے۔

مسئلہ نمبر 9۔ کفار کے جانوروں سے ان کے مالکوں کے لیے کھانا جائز نہیں۔ امام مالک کا مشہور مذہب ہے کہ تین جانوروں سے نہ کھائے۔ شکار کی جزا سے، اذیت کے فدیہ سے اور مساکین کی نذر سے۔ اس کے علاوہ سے کھائے جب وہ اپنے مقام پر پہنچ جائے خواہ وہ واجب ہو یا نفل ہو اس پر سلف صالحین کی جماعت اور فقہاء الامصار نے ان کی موافقت کی ہے۔

مسئلہ نمبر 10۔ اگر ایسے جانور سے کھالیا جس سے کھانا ممنوع تھا تو کیا جتنا اس نے کھایا ہے اس کی چٹی دے گا یا مکمل ہدی چٹی دے گا؛ ہمارے مذہب میں دو قول ہیں۔ ایک وہ ہے جو ابن الماجشون نے ذکر کیا ہے انہوں نے کہا: ابن عربی نے کہا اور وہی حق ہے کہ اس پر کوئی چیز نہ ہوگی۔ اسی طرح اگر اس نے مساکین کے لیے ہدی کی نذر مانی تھی پھر ہدی کے مقام پر پہنچنے کے بعد اس نے اس میں سے کچھ کھالیا تو وہ چٹی نہیں دے گا مگر جو انہوں نے کھایا۔ اور مدونہ میں اس کے خلاف مسئلہ ہے کیونکہ نحر واقع ہو چکا ہے اور حد سے تجاوز گوشت میں ہوا ہے۔ پس جو اس نے تجاوز کیا اتنی مقدار اس سے چٹی لی جائے گی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلْیُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ یہ نذر کے اخراج پر دلیل ہے خواہ وہ دم ہو یا ہدی ہو یا اس کے علاوہ ہو اور یہ دلیل ہے کہ نذر کی وفا کی وجہ سے خود اس کا اس سے کھانا جائز نہیں۔ اسی طرح شکار کی جزا اور اذیت کے فدیہ کا حکم ہے کیونکہ مقصود یہ ہے کہ گوشت وغیرہ میں کمی کے بغیر مکمل طور پر ادا کرے۔ اگر اس نے اس میں سے خود کھایا تو اس پر دوسری ہدی ہوگی۔

مسئلہ نمبر 11۔ کیا گوشت کی قیمت یا کھانے کی قیمت چٹی دے گا۔ امام محمد کی کتاب میں عبد الملک سے مروی ہے کہ وہ کھانے کی چٹی دے گا۔ پہلا قول اصح ہے کھانا ہدی کے مقابلہ میں ہدی کے نہ پائے جانے کے وقت عبادت ہوتا ہے اور تعدی کا حکم، عبادت کا حکم نہیں ہوتا۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب الاضاحی، النھی عن اکل لحم بعد ثلاث فی اول الطعام، جلد 2، صفحہ 158

مسئلہ نمبر 12۔ اگر شکاری کی جزا، اذیت کے فدیہ اور مساکین کی نذر کی ہدی میں سے کوئی ہلاک ہو جائے جبکہ ابھی وہ اپنے مقام پر نہ پہنچی ہو تو اس کا مالک اس سے کھا سکتا ہے اور اس سے غنی اور فقراء اور جن کو مالک پسند کرے سب کو کھلا سکتا ہے اور اس کا گوشت کھا سکتا ہے اور اس کے ہار میں سے کوئی چیز فروخت نہیں کرے گا۔ اسماعیل بن اسحاق نے کہا: ہدی جو مضمون ہے جب وہ اپنے محل میں پہنچنے سے پہلے ہلاک ہو جائے تو مالک پر اس کا بدل ہوگا اسی وجہ سے مالک کے لیے اس میں سے خود کھانا اور دوسروں کو کھلانا جائز ہے۔ جب نفلی ہدی اپنے محل میں پہنچنے سے پہلے ہلاک ہو جائے تو اس سے خود کھانا اور دوسروں کو کھلانا جائز نہیں کیونکہ اس پر جب اس کا بدل نہیں ہے تو اندیشہ ہے کہ وہ ہدی کے ساتھ ایسا خود کرے اور اس کی ہلاکت کے بغیر اسے ذبح کر ڈالے۔ پس لوگوں پر احتیاط رکھی گئی ہے اسی پر عمل ہے۔ ابوداؤد نے ناجیہ اسلمی سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ ایک ہدی بھیجی اور فرمایا: ''اگر اس میں سے کوئی چیز ہلاک ہو جائے تو اسے ذبح کر دینا اور اس کے خون میں اس کی نعل کو رنگ دینا پھر اس کے اور لوگوں کے درمیان راستہ خالی چھوڑ دینا''(1)۔ اس حدیث کی وجہ سے امام مالک اور امام شافعی نے ایک قول میں اور امام احمد، اسحاق، ابوثور اور اصحاب الرائے اور ان کے پیروکاروں نے کہا: نفلی ہدی سے اس کا لے جانے والا کچھ نہ کھائے اور اسے لوگوں کے کھانے کے لیے چھوڑ دے۔ صحیح مسلم میں ہے: ''اس سے تو اور تیرے رفقاء میں سے کوئی نہ کھائے''(2)۔ نہی کی وجہ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور امام شافعی نے دوسرے قول میں فرمایا اور ابن المنذر نے بھی اس کو پسند کیا ہے فرمایا: اس کا لے جانے والا نہ کھائے اور اس کے رفقاء میں سے بھی کوئی نہ کھائے۔ ابوعمر نے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول کہ ''اس میں سے تو بھی نہ کھائے اور تیرے رفقاء میں سے بھی کوئی نہ کھائے''۔ یہ صرف حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے یہ ہشام بن عروہ عن ابیہ عن ناجیہ کی سند سے مروی حدیث میں نہیں ہے اور ہمارے نزدیک یہ حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کی نسبت زیادہ صحیح ہے اور فقہاء کے نزدیک اسی پر عمل ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد: خل بینها وبین الناس(3) میں اس کے رفقاء اور دوسرے لوگ شامل ہیں۔ امام شافعی اور ابوثور نے کہا: جس ہدی کی اصل واجب ہو اس سے نہ کھائے اور جو ہدی نفلی ہو یا قربانی ہو اسے خود کھائے اور ہدیہ بھی دے، ذخیرہ بھی کرے اور صدقہ بھی کرے۔ تمتع اور قران کی ہدی ان کے نزدیک قربانی ہے۔ امام اوزاعی کا مذہب بھی اسی طرح ہے۔ امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب نے کہا: وہ تمتع کی ہدی اور نفلی ہدی سے کھا سکتا ہے اور جو ان کے علاوہ ہیں جو احرام کے حکم کی وجہ سے واجب ہوتی ہیں اس میں سے نہ کھائے۔ امام مالک سے حکایت کیا گیا ہے کہ دم الفساد سے نہ کھائے۔ اس قیاس پر دم الجبر سے بھی نہ کھائے جیسے امام شافعی اور اوزاعی کا قول ہے۔ امام مالک نے اس سے دلیل پکڑی ہے کہ شکار کی جزا کو اللہ تعالیٰ نے مساکین کے لیے بنایا ہے۔ ارشاد فرمایا: اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ (المائدہ:95) اور اذیت کے فدیہ

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب مناسك الحج، باب الهدی إذا عطب، جلد 1، صفحہ 245۔ سنن ابی داؤد، 1499۔ ابن ماجہ، 3096، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ صحیح مسلم، کتاب الحج، ما یفعل بالهدی إذا عطب فی الطریق، جلد 1، صفحہ 427

3۔ صحیح مسلم، کتاب الحج، جواز الحلق للمحرم، جلد 1، صفحہ 382

میں فرمایا: فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ (البقرہ: 196) اور نبی کریم ﷺ نے حضرت کعب بن عجرہ کو فرمایا: ''چھ مساکین کو کھلاؤ ہر مسکین کے لیے دو مد ہوں یا تین دنوں کے روزے رکھو یا ایک بکری ذبح کرو'' اور مساکین کی نذر کی تصریح کی گئی ہے رہے ان کے علاوہ ہدایا تو وہ اپنی اصل پر باقی ہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ ۖ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ ۚ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا نبی کریم ﷺ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان ہدایا سے کھایا جو وہ لے کر آئے تھے اور ان کے شوربے سے پیا نبی کریم ﷺ اصح روایات کے مطابق قارن تھے۔ اور آپ پر یہ ہدی واجب تھی۔ امام ابوحنیفہ کا قول صحیح نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہدایا سے کھانے کی اجازت دی کیونکہ عرب قربانی سے کھانا جائز نہیں سمجھتے تھے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ کو ان کی مخالفت کا حکم دیا پس ضروری ہے جیسے مشروع ہے اور جیسے آپ نے پہنچایا۔ اسی طرح نبی کریم ﷺ نے کیا جب آپ نے ہدی دی اور احرام باندھا۔

مسئلہ نمبر 13۔ فَكُلُوْا مِنْهَا بعض علماء نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد لوگوں کے فعل کا ناسخ ہے کیونکہ وہ قربانیوں کے گوشت اپنے اوپر حرام سمجھتے تھے اور اس سے کھاتے نہیں تھے جیسا کہ ہم نے ہدایا میں کہا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے فَكُلُوْا مِنْهَا کے ارشاد سے اور نبی کریم ﷺ کے قول: من ضحی فلیأکل من أضحیتہ جس نے قربانی دی وہ اپنی قربانی سے کھائے۔ سے ان کے عمل اور نظریہ کو منسوخ کر دیا کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اپنی قربانی اور ہدی سے کھایا تھا۔ زہری نے کہا: کلیجی میں سے پہلے کھانا سنت ہے۔

مسئلہ نمبر 14۔ اکثر علماء کا خیال ہے کہ تہائی گوشت صدقہ کرنا، تہائی گوشت لوگوں کو کھلانا اور تہائی اپنے لیے اور اپنے گھر والوں کے لیے رکھنا مستحب ہے۔ ابن القاسم نے امام مالک سے روایت کیا ہے: ہمارے نزدیک ضحایا میں معلوم اور موصوف قسم نہیں ہے۔ امام مالک نے اپنی حدیث میں فرمایا: مجھے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے خبر پہنچی ہے اور اس پر عمل نہیں ہے اور الصحیح اور ابوداؤد نے روایت کیا ہے فرمایا: نبی پاک ﷺ نے ایک بکری قربانی دی، پھر فرمایا: ''اے ثوبان! اس بکری کے گوشت کو صاف کر''(1)۔ فرمایا: میں اس سے آپ ﷺ کو کھلاتا رہا حتی کہ آپ ﷺ مدینہ طیبہ پہنچ گئے۔ یہ اس مقصود میں نص ہے۔ امام شافعی کے اقوال مختلف ہیں کبھی فرمایا: نصف کھائے اور نصف صدقہ کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ ﴿٢٨﴾ دو شخصوں کا ذکر کیا ہے کبھی فرمایا: ایک تہائی کھائے ایک تہائی ہدیہ دے اور ایک تہائی دوسروں کو کھلائے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ یہاں تین آدمیوں کا ذکر ہے۔

مسئلہ نمبر 15۔ مسافر بھی اسی طرح قربانی کرنے کا مخاطب ہے جس طرح مقیم ہے کیونکہ اصل خطاب میں عموم ہے: یہ اکثر علماء کا قول ہے اس میں امام ابوحنیفہ اور نخعی نے اس کی مخالفت کی ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے حدیث ان کے خلاف حجت ہے مسافرین میں سے امام مالک نے منیٰ کے حاجیوں کی استثنا کی ہے۔ وہ ان پر قربانی کا نظریہ نہیں رکھتے یہی

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الاضحی، باب فی المسافر یضحی، جلد 2، صفحہ 33۔ ایضاً، 2431، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

نخعی کا قول ہے اور یہی حضرت ابوبکر، حضرت عمر رضی اللہ عنہما اور سلف کی ایک جماعت سے مروی ہے کیونکہ حاجی اصل میں ہدی کے ساتھ مخاطب ہے جب وہ قربانی دینے کا ارادہ کرے گا تو اسے ہدی بنائے گا اور لوگوں کا حکم حاجی سے مختلف ہے انہیں قربانی دینے کا حکم دیا گیا ہے تاکہ وہ اہل منیٰ کے مشابہ ہو جائیں اور انہیں ان کے اجر سے حظ وافر ملے۔

مسئلہ نمبر 16۔ گوشت ذخیرہ کرنے کے متعلق چار اقوال ہیں۔ حضرت علی، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے صحیح سند سے مروی ہے "تین دنوں کے بعد ضحایا کے گوشت سے ذخیرہ نہ کر"۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے انہوں نے یہ روایت کیا ہے یہ آئندہ آئے گا۔ ایک جماعت نے کہا: ذخیرہ کرنے کی نہی جو مروی ہے وہ منسوخ ہے پس جس وقت تک چاہے ذخیرہ کر سکتا ہے۔ حضرت ابوسعید خدری اور حضرت بریدہ اسلمی کا یہی قول ہے۔ ایک فرقہ نے کہا: اس سے مطلقاً کھانا جائز ہے۔ ایک جماعت نے کہا: اگر لوگوں کو حاجت ہو تو ذخیرہ نہ کرے کیونکہ نہی ایک علت کی وجہ سے تھی فرمایا: "میں نے تمہیں قربانی کا گوشت ذخیرہ کرنے سے آنے والے لوگوں کی وجہ سے منع کیا تھا" (1)۔ جب وہ علت اُٹھ گئی تو موجب کے اٹھ جانے کی وجہ سے پہلا حکم بھی اٹھ گیا نہ کہ یہ منسوخ ہے۔ یہاں ایک اصولی مسئلہ پیدا ہوتا ہے وہ یہ ہے۔

مسئلہ نمبر 17۔ نسخ کے ساتھ حکم کا اٹھانا اور علت کے ختم ہونے کے ساتھ حکم کو اٹھانے میں فرق ہے۔ نسخ کے ساتھ اٹھائے گئے حکم کے ساتھ کبھی بھی حکم نہیں لگایا جاتا لیکن علت کے ارتفاع کے ساتھ اٹھایا گیا حکم، علت کے لوٹنے کے ساتھ حکم بھی لوٹ آتا ہے۔ پس اب بھی اگر کسی شہر میں قربانی کے دنوں میں محتاج لوگ آجائیں اور اس شہر والوں کے پاس ان کی بھوک مٹانے کی وسعت نہ ہو مگر قربانیوں کا گوشت تو ان پر متعین ہو جائے گا کہ وہ تین دنوں سے زیادہ گوشت کو ذخیرہ نہ کریں جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا۔

مسئلہ نمبر 18۔ وہ احادیث جو اس باب میں وارد ہیں منع اور اباحت کے متعلق وہ صحیح اور ثابت ہیں کبھی منع اور اباحت اکٹھے آئے ہیں جیسا کہ حضرت عائشہ، حضرت سلمہ بن اکوع اور حضرت ابوسعید کی حدیث میں منصوص ہے جن کو صحیح میں روایت کیا گیا ہے۔ صحیح میں ابو عبید مولیٰ بن ازہر سے مروی ہے کہ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ عید کی نماز میں حاضر ہوئے فرمایا میں نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ساتھ عید کی نماز پڑھی فرمایا: آپ نے ہمیں خطبہ سے پہلے عید کی نماز پڑھائی پھر لوگوں کو خطاب کیا فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمہیں تین دنوں سے زیادہ اپنی قربانیوں کا گوشت کھانے سے منع کیا ہے پس تم انہیں تین دنوں سے زیادہ نہ کھاؤ (2)۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین دنوں سے زیادہ قربانیوں کا گوشت کھانے سے منع فرمایا۔ سالم نے کہا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، تین دنوں سے زیادہ قربانی کا گوشت نہیں کھاتے تھے۔ ابوداؤد نے حضرت نُبیشہ سے روایت کیا ہے فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہم نے تمہیں تین دنوں سے زیادہ قربانی کا گوشت کھانے سے منع کیا تھا تاکہ تمہارے لیے کشادگی کا باعث ہو۔ اب اللہ تعالیٰ نے (رزق) میں وسعت دے دی ہے اب تم کھاؤ اور ذخیرہ کرو اور کھانا کھلانے کے ذریعے اجر طلب کرو خبردار! یہ ایام کھانے، پینے اور اللہ تعالیٰ کے

1۔ صحیح مسلم، کتاب الاضاحی، باب من النهی عن اکل اللحم، جلد 2، صفحہ 158 2۔ ایضاً

ذکر کے ایام ہیں'' (1)۔ ابوجعفر نحاس نے کہا: اس مسئلہ میں جو کچھ کہا گیا ہے سب سے بہتر یہ قول ہے تا کہ احادیث متفق ہوں اور ایک دوسرے کے مخالف نہ ہوں۔ حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب اور حضرت عثمان کا قول محصور ہے کیونکہ لوگ انتہائی شدت میں تھے۔ پس انہوں نے ویسا ہی کیا جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا جب مسافر لوگ آئے ہوئے تھے۔ اس پر دلیل یہ حدیث ہے جو ابراہیم بن شریک نے ہمیں بتائی انہوں نے کہا ہمیں احمد نے بتایا انہوں نے کہا ہمیں لیث نے بتایا انہوں نے کہا مجھے حارث بن یعقوب نے بتایا انہوں نے یزید بن ابی یزید سے روایت کیا انہوں نے اپنی بیوی سے روایت کیا کہ اس نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے قربانیوں کے گوشت کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا: ہمارے پاس حضرت علی بن ابی طالب آئے تو ہم نے ان کے سامنے قربانی کا گوشت رکھا انہوں نے کھانے سے انکار کر دیا حتی کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ لیں انہوں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو فرمایا: ''ذی الحجہ سے ذی الحجہ تک کھاؤ''۔ امام شافعی نے فرمایا: جن لوگوں نے تین دن کے بعد ذخیرہ کرنے سے منع کا ذکر کیا ہے انہوں نے رخصت نہیں سنی اور جس نے مطلقا رخصت کا ذکر کیا ہے انہوں نے ذخیرہ کرنے کی نہی نہیں سنی اور جنہوں نے نہی اور رخصت کا ذکر کیا ہے انہوں نے دونوں کو سنا اور دونوں کے مقتضا کے مطابق عمل کیا۔ مزید تفصیلی اختلاف جو قربانی کے وجوب اور مستحب ہونے کے متعلق ہے اس کا ذکر سورۃ الکوثر میں آئے گا۔ اور یہ بھی وضاحت ہوگی کہ یہ ہر ذبح کے لیے ناسخ ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

مسئلہ نمبر 19۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اَطْعِمُوا الْبَآىِٕسَ الْفَقِیْرَ۔ الفقیر صفت ہے البائس کی۔ البائس وہ ہوتا ہے جسے بھوک اور شدت فقر نے آلیا ہے۔ کہا جاتا ہے: بیأس باسأ جب کوئی فقیر ہو جائے۔ فھو بائس کبھی اس شخص کے لیے یہ لفظ استعمال ہوتا ہے جس پر زمانہ کا کوئی حادثہ آیا ہو اگرچہ وہ فقیر نہ ہو۔ اسی سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: لکن البائس سعد بن خولہ (2)، لیکن سعد بن خولہ (جسے مکہ میں موت آئی تھی اس) فقیر پر افسوس ہے۔ کہا جاتا ہے: رجلٌ بئیسٌ سخت آدمی کبھی بؤس بیؤس بأساً استعمال ہوتا ہے جب سخت ہو جائے اسی سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اَخَذْنَا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍۭ بَىِٕیْسٍ (الاعراف: 165) یعنی سخت عذاب سے ہم نے ظالموں کو پکڑ لیا۔ جب قربانی کا گوشت زیادہ صدقہ کیا جائے تو اجر بھی زیادہ ہوگا اور وہ مقدار جس کا کھانا جائز ہے اس میں اختلاف ہے جو ہم ذکر کر چکے ہیں۔ بعض نے فرمایا: نصف ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فکلوا واطعموا۔ بعض نے کہا 2\3 حصہ صدقہ کرے کیونکہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: الأ فکلوا وادخروا واتجروا (خبردار! کھاؤ اور ذخیرہ کرو اور کھلانے کے ساتھ اجر طلب کرو) کھانے اور کھلانے میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا: دونوں واجب نہیں۔ بعض نے کہا: دونوں مستحب ہیں۔ بعض نے کہا: کھانے اور کھلانے کے حکم میں فرق ہے۔ کھانا مستحب ہے اور کھلانا واجب ہے، یہی امام شافعی کا قول ہے۔

مسئلہ نمبر 20۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ثُمَّ لْیَقْضُوْا تَفَثَهُمْ یعنی قربانیوں اور ہدایا کو نحر کرنے کے بعد مابقی حج کے

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الاضحیٰ، حبس لحوم الاضاحی، جلد 2، صفحہ 33

2۔ صحیح بخاری، کتاب الجنائز، رثاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم سعد بن خولہ، جلد 1، صفحہ 173

امور ادا کریں جیسے حلق کرانا، رمی جمار کرنا اور میل کچیل دور کرنا۔ ابن عرفہ نے کہا: یعنی وہ اپنے آپ سے اپنی میل دور کریں۔ ازہری نے کہا التفث کا معنی مونچھیں کاٹنا، ناخن کاٹنا، بغلوں کے بال نوچنا، اور زیر ناف بال صاف کرنا، یہ احرام سے خروج کے وقت ہے۔ نضر بن شمیل نے کہا: عرب کلام میں التفث کا معنی میل اور پراگندگی دور کرنا ہے۔ میں نے زہری کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ عرب کلام میں التفث کا معنی صرف حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور اہل تفسیر کے قول سے معروف ہے۔ حسن نے کہا: اس کا معنی احرام کی میل کو دور کرنا ہے۔ بعض علماء نے کہا: التفث سے مراد تمام مناسک حج ہیں اس کو حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم نے روایت کیا ہے۔ ابن عربی نے کہا: اگر ان دونوں سے روایت صحیح ہے تو یہ حجت ہے کیونکہ انہیں شرف صحبت حاصل ہے اور لغت کا احاطہ بھی رکھتے ہیں فرمایا: یہ لفظ غریب ہے اہل عرب اس میں کوئی شعر نہیں پاتے اور اس کے بارے کوئی خبر نہیں رکھتے ہیں لیکن میں نے التفث کا لغوی معنی تلاش کرنے کی کوشش کی تو میں نے ابو عبیدہ معمر بن المثنی کو دیکھا انہوں نے فرمایا: یہ ناخن کاٹنا اور مونچھیں کاٹنا ہے اور نکاح کے علاوہ محرم پر جو حرام ہے اس کو ختم کرنا ہے۔ فرمایا: اس میں کوئی شعر نہیں آیا جس سے حجت پکڑی جائے۔ صاحب العین نے کہا: التفث کا معنی رمی جمار کرنا، حلق کرانا یا بال چھوٹے کرانا، ذبح کرنا، ناخن کاٹنا، مونچھیں کاٹنا اور زیر ناف بال صاف کرنا ہے۔ زجاج اور فراء نے اسی طرح ذکر کیا ہے۔ میرا خیال ہے انہوں نے یہ علماء کے اقوال سے لیا ہے۔ قطرب نے کہا: تفث الرجل کا معنی ہے جب اس کی میل زیادہ ہو جائے۔

امیہ بن ابی الصلت نے کہا:

حفُّوا رؤسھم لم یحلِقوا تَفَثًا ولم یَسُلُّوا لھم قَمْلاً وصِئبانا

قطرب نے جس چیز کی طرف اشارہ کیا ہے وہ ابن وہب نے امام مالک سے روایت کیا ہے۔ التفث میں وہی صحیح ہے یہ لغوی اعتبار سے میل کچیل کو دور کرنا ہے۔ رہی شریعت کی حقیقت تو جب حاجی یا عمرہ کرنے والا اپنی ہدی کو نحر کرتا ہے اور اپنا سر حلق کراتا ہے اور اپنی میل دور کرتا ہے اور پاک صاف ہو جاتا ہے اور عام کپڑے پہن لیتا ہے تو وہ اپنی میل دور کر دیتا ہے اور اپنی نذر پوری کر دیتا ہے اور نذر سے مراد وہ چیز ہوتی ہے جو خود اپنے اوپر لازم کرتا ہے۔

میں کہتا ہوں: جو قطرب سے حکایت کیا گیا ہے وہ شعر سے ذکر کیا گیا ہے اس کو ماوردی نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے اور اس نے ایک اور شعر بھی لکھا ہے:

قَضَوا تَفَثًا ونَحَبًا ثم ساروا إلی نَجْدٍ وما انتظروا علِیًا

ثعلبی نے کہا: التفث کا لغوی معنی میل ہے۔ عرب جس شخص کو ناپسند اور گندہ سمجھتے ہیں اس کے لیے استعمال کرتے ہیں ما اتفثك یعنی تو کتنا گندہ ہے۔ امیہ بن ابی الصلت نے کہا:

ساخین آباطھم لم یقذفوا تفثا وینزعوا عنھُم قَمْلاً وصِئبانا

ماوردی نے کہا بعض صلحاء سے پوچھا گیا کہ شعث المحرم سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: اللہ تعالیٰ خود گواہی دے کہ تو اپنے نفس کی دیکھ بھال نہیں کرتا اور وہ اطاعت کے لیے اپنی جان قربان کرنے میں تیری سچائی کو جان لے۔

مسئلہ نمبر 21۔ وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ مطلقاً انہیں نذر پوری کرنے کا حکم دیا گیا ہے مگر یہ کہ وہ معصیت نہ ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے رسول کا ارشاد ہے: ”اللہ تعالیٰ کی معصیت میں نذر کو پورا کرنا نہیں ہے“ (1) اور ارشاد فرمایا: ”جو اللہ کی اطاعت کرنے کی نذر مانے وہ اس کی اطاعت کرے اور جو اس کی نافرمانی کی نذر مانے وہ ادا نہ کرے“ (2)۔

وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ ﴿۲۹﴾ اس آیت میں طواف افاضہ کا ذکر ہے جو حج کے واجبات سے ہے۔ طبری نے کہا: مفسرین کا اس میں کوئی اختلاف نہیں۔

مسئلہ نمبر 22۔ حج کے تین طواف ہیں۔ طواف قدوم، طواف افاضہ، طواف وداع۔ اسماعیل بن اسحق نے کہا: طواف قدوم سنت ہے۔ یہ مراہق، مکی اور ہر اس شخص سے ساقط ہوتا ہے جو مکہ سے حج کا احرام باندھتا ہے فرمایا: واجب طواف کسی چیز سے ساقط نہیں ہوتا اور وہ طواف افاضہ ہے نویں ذوالحجہ کے بعد ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ثُمَّ لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ فرمایا: یہ طواف کتاب اللہ میں فرض کیا گیا ہے۔ اس طواف کے ساتھ حاجی اپنے احرام سے فارغ ہو جاتا ہے۔ حافظ ابو عمر نے کہا: طواف افاضہ کے بارے میں اسماعیل نے جو کچھ ذکر کیا ہے وہ اہل مدینہ کے نزدیک امام مالک کا قول ہے۔ یہ ابن وہب، ابن نافع اور اشہب کی ان سے روایت ہے۔ اور یہی فقہاء اہل حجاز و عراق کا نظریہ ہے۔ ابن القاسم اور ابن عبد الحکم نے امام مالک سے روایت کیا ہے کہ طواف قدوم واجب ہے۔ ابن القاسم نے المدونہ سے ذکر کیا ہے۔ اور اسے امام مالک سے بھی روایت کیا ہے کہ طواف واجب مکہ کی طرف آنے والے کا طواف ہے۔ فرمایا: جو مکہ میں دخول کے وقت طواف بھول گیا یا اس سے کوئی چکر بھول گیا یا سعی بھول گیا یا اس کا کوئی چکر بھول گیا حتیٰ کہ وہ اپنے شہر لوٹ آیا پھر یہ ذکر کیا: اگر اس نے بیوی سے مجامعت نہیں کی تو مکہ کی طرف لوٹ آئے اور بیت اللہ کا طواف کرے اور دو رکعت نماز ادا کرے۔ پھر صفا و مروہ کے درمیان سعی کرے پھر ہدی دے اگر عورت سے مجامعت کر چکا ہو تو لوٹ آئے، طواف کرے اور سعی کرے پھر عمرہ کرے اور ہدی دے۔ یہ بالکل اس شخص کی مانند حکم رکھتا ہے جو طواف افاضہ بھول گیا ہو۔ اس روایت پر دونوں طواف واجب ہیں اور سعی بھی واجب ہے اور رہا طواف صدر جس کو طواف وداع بھی کہا جاتا ہے تو ابن القاسم وغیرہ نے امام مالک سے روایت کیا ہے کہ جو بغیر وضو کے طواف افاضہ کرے وہ اپنے شہر سے لوٹ آئے اور طواف افاضہ کرے مگر اس کے بعد تطوع (نفل) ہو گا اس مسئلہ پر امام مالک اور ان کے اصحاب کا اجماع ہے۔ ان کے نزدیک واجب فرض طواف کی جگہ نفل طواف جائز ہے، اسی طرح ان کا اجماع ہے کہ جس نے حج میں کوئی نفلی کام کیا اور وہ کام حج میں واجب تھا جبکہ اب اس کا وقت گزر گیا ہے تو اس کا وہ نفلی کام واجب کے طور پر ہو جائے گا نفل کے لیے نہ ہو گا۔ بخلاف نماز کے۔ جب نفل حج میں فرض کے قائم مقام ہو جائے گا تو مکہ میں دخول کا طواف بھی طواف افاضہ کے قائم مقام بدرجہ اولیٰ ہو جائے گا مگر جو طواف دسویں کے دن جمرہ عقبہ پر کنکریاں مارنے کے بعد ہو یا اس کے بعد ہو تو وہ وداع کے لیے ہو گا۔ ابن عبد الحکم کی روایت امام مالک سے اس

1۔ مسند عبد الرزاق، کتاب الایمان والنذر، لا نذر فی معصیۃ اللہ، جلد 8، صفحہ 376

2۔ صحیح بخاری، کتاب الایمان والنذر، النذر فی الطاعۃ، جلد 2، صفحہ 991

کے برعکس ہے کیونکہ اس میں ہے کہ دخول مکہ کا طواف جو سعی کے ساتھ ہو وہ طواف افاضہ کے قائم مقام ہو جائے گا اس شخص کے لیے جو اپنے شہر کی طرف ہدی کے ساتھ لوٹ آیا ہو جیسا کہ طواف افاضہ سعی کے ساتھ قائم مقام ہو جاتا ہے اس شخص کے لیے جس نے ہدی کے ساتھ مکہ میں داخل ہوتے وقت طواف قدوم اور سعی نہ کی ہو اور جنہوں نے یہ کہا انہوں نے یہ بھی کہا: طواف دخول کو واجب کیا جائے اور طواف افاضہ کو بھی واجب کیا جائے کیونکہ یہ ایک دوسرے کے قائم مقام ہوتے ہیں نیز امام مالک سے مروی ہے کہ جو ان میں سے ایک طواف بھول جائے وہ اپنے شہر سے لوٹ آئے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حاجی پر صرف ایک طواف فرض کیا ہے۔ فرمایا: وَ اَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ اور آیت کے سیاق میں فرمایا: وَ لْیَطَّوَّفُوْا بِالْبَیْتِ الْعَتِیْقِ اس آیت اور دوسری آیات میں ان کے نزدیک واؤ ترتیب کے لیے نہیں مگر توقیفی ہے۔ طبری نے عمرو بن ابی سلمہ سے اپنی سند کے ساتھ ذکر کیا ہے فرمایا: میں نے زہیر سے اللہ تعالیٰ کے ارشاد: وَ لْیَطَّوَّفُوْا بِالْبَیْتِ الْعَتِیْقِ کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا: یہ طواف وداع ہے۔ یہ دلیل ہے کہ یہ واجب ہے؛ یہ امام شافعی کا پہلا قول ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حیض والی عورت کو بغیر طواف کے جانے کی رخصت دی اور رخصت نہیں دی جاتی مگر واجب میں۔

مسئلہ نمبر 23۔ علماء کا البیت کی صفت العتیق کی وجہ میں اختلاف ہے مجاہد اور الحسن نے کہا: العتیق کا معنی قدیم ہے۔ کہا جاتا ہے: سیف عتیق پرانی تلوار۔ قد عتق کا معنی ہے قدم اس قول کی تائید نظر بھی کرتی ہے۔ صحیح میں ہے: انه اول مسجد وضع فی الارض، (1) یہ پہلی مسجد ہے جو زمین میں بنائی گئی ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کو عتیق اس لیے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو آزاد فرمایا ہے کہ کوئی جابر شخص ذلت کے ساتھ اس پر قیامت تک مسلط ہو؛ یہ معنی ابن زبیر اور مجاہد نے بیان فرمایا۔ امام ترمذی میں حضرت عبداللہ بن زبیر سے مروی ہے فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: البیت العتیق (2) اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ اس پر کوئی جابر غالب نہیں آئے گا''۔ امام ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مرسلاً مروی ہے اگر کوئی حجاج بن یوسف کا حوالہ دے کہ اس نے کعبہ پر منجنیق نصب کی تھی اور کعبہ کو توڑا بھی تھا تو اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے کفار جابروں سے آزاد کیا کیونکہ اگر وہ سرکشی کرتے ہوئے اور بیت کی حرمت کا اعتقاد نہ رکھتے ہوئے آئیں گے اور کعبہ کو نقصان پہنچانے کا ارادہ کرتے ہوئے آئیں گے پس کفار سے اسے محفوظ کیا گیا یہ دلالت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس سے جبراً پھیر دیا ہے رہے مسلمان جو اس کی حرمت کا اعتقاد رکھتے ہیں وہ بھی اگرچہ اس سے رک جائیں گے تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کی منزلت پر وہ دلالت نہ ہوگی جس کی اس کے دشمنوں کو روکنے میں ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے مسلمان کو نہی اور وعید کے ساتھ روکا ہے اور انہیں مجبوری اور اضطرار کی حالت میں نہیں پھیرا اور قیامت کو ان کے وعدہ کی جگہ بنایا اور قیامت بھی خوفناک اور کڑوی ہے۔ بعض نے کہا: اس کو عتیق اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ یہ جگہ کبھی کسی کی ملکیت نہیں رہی۔ ایک طائفہ نے کہا: اس کو عتیق اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اس میں مجرموں کو عذاب سے آزاد فرماتا ہے۔ بعض نے کہا: اس کو عتیق اس لیے کہا جاتا ہے کہ اسے طوفان میں غرق ہونے سے بچایا گیا؛ یہ ابن جبیر کا قول ہے۔ بعض

1۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، سورۂ حج، جلد 2، صفحہ 146 2۔ صحیح مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلوٰۃ، جلد 1، صفحہ 199

نے کہا: العتیق کا معنی کریم ہے۔ العتق کا معنی کرم ہے۔ طرفہ نے اپنے گھوڑے کا وصف بیان کیا ہے:

مؤللتان تعرف العتق فیھما کسا معتی منعورۃ وسط ربرب

عتق الرقیق۔ غلامی کی ذلت سے نکلنا اور حریت کی عزت کی طرف جانا۔ یہ بھی احتمال ہے کہ عتیق صفت مدح ہو جو کسی شے کی عمدگی کا تقاضا کرتی ہے جیسا کہ حضرت عمر بنی‌تنہ نے کہا: حملت علی فرس عتیق۔ پہلا قول اصح ہے کیونکہ نظر اور حدیث صحیح اس کی تائید کرتی ہے۔ مجاہد نے کہا: اللہ تعالیٰ نے زمین سے دو ہزار سال پہلے بیت اللہ کو تخلیق کیا اسی وجہ سے اس کو عتیق کہا گیا۔ واللہ اعلم۔

ذٰلِكَ ۗ وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ؕ وَاُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ ۙ﴿۳۰﴾ حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ ﴿۳۱﴾

''ان احکام کو یاد رکھو اور جو شخص تعظیم کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی حرمتوں کی تو یہ بہتر ہے اس کے لیے اس کے رب کے ہاں اور حلال کیے گئے تمہارے لیے جانور بجز ان کے جن کی حرمت پڑھی گئی تھی تم پر بس پرہیز کرو بتوں کی نجاست سے اور بچو جھوٹی بات سے، یکسر مائل ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی طرف نہ شریک ٹھہراتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور جو شریک ٹھہراتا ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ تو اس کی حالت ایسی ہے گویا وہ گرا ہوا ہے آسمان سے پس اچک لیا ہو اسے کسی پرندے نے یا پھینک دیا ہو اسے ہوا نے کسی دور جگہ میں''۔

اس میں آٹھ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ذٰلِكَ اس میں احتمال ہے کہ یہ محل رفع میں ہو اور اس کی تقدیر یہ ہو: فرضکم ذالك یا الواجب ذالك اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ محل نصب میں ہو اس کی تقدیر یہ ہو امتثلوا ذالك؛ زہیر کے قول میں اس کی مثل اشارہ ہے:

ھذا ولیس کمن یعیا بخطتہ وسط الندی إذا ما قائل نطقا

اور یہاں حرمات مقصودہ سے مراد افعال حج ہیں جن کی طرف ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ میں اشارہ کیا گیا ہے اس میں جگہوں کی تعظیم بھی داخل ہے؛ یہ ابن زید وغیرہ کا قول ہے۔ یہ کہنا تمام چیزوں کو شامل ہے کہ حرمات سے مراد تمام فرائض اور سنن کی پیروی کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ان حرمات میں سے کسی کی تعظیم کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی اہانت سے بہتر ہے۔ بعض علماء نے کہا: یہ تعظیم اس خیرات سے بہتر ہے جس سے نفع حاصل کیا جاتا ہے۔ یہ خیر کا لفظ تفضیل کے لیے نہیں یہ خیر کا وعدہ ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ کہ تم انہیں کھاؤ یہ اونٹ، گائیں اور بکریاں ہیں۔ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ یعنی کتاب میں جن محرمات کا ذکر ہے اور وہ المیتة (مردار) اور موقوذة وغیرہ ہیں۔ یہ حج کے امر کے ساتھ اتصال ہے کیونکہ حج میں ذبح کا حکم ہے پس جن کا ذبح کرنا اور جن کا گوشت کھانا حلال ہے اس کو بیان کیا۔ بعض نے کہا: اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَ اَنْتُمْ حُرُمٌ (المائدہ:1) مراد ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ، الرِّجْسَ گندی چیز کو کہتے ہیں۔ الوثن وہ بت جو لکڑی، لوہے، سونے یا چاندی وغیرہ سے بنائے جاتے ہیں۔ عرب انہیں نصب کرتے تھے اور ان کی عبادت کرتے تھے۔ نصاریٰ صلیب نصب کرتے تھے اس کی عبادت کرتے تھے، اور اس کی تعظیم کرتے تھے یہ بھی تمثال کی طرح ہے۔ عدی بن حاتم نے کہا: میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور میری گردن میں سونے کی صلیب تھی۔ فرمایا: ''اس بت کو اپنے آپ سے دور کر''(1) یعنی صلیب کو دور کر۔ اس کی اصل وثن الشی ہے۔ یعنی اپنی جگہ میں اس کو کھڑا کیا۔ صنم کو وثن کہا جاتا ہے کیونکہ وہ نصب کیا جاتا ہے اور ایک جگہ گاڑھا جاتا ہے جہاں سے وہ ہلتا نہیں۔ مراد یہ ہے کہ بتوں کی عبادت سے اجتناب کرو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اور ابن جریج سے مروی ہے اور اس کو رجس کہا ہے کیونکہ یہ عذاب کا سبب ہیں۔ بعض نے کہا: اس کو رجس کہا۔ الرجس کا معنی نجس ہے۔ یہ حکماً نجاست ہے۔ اعیان کا جوذاتی وصف ہوتا ہے وہ نجاست نہیں ہے۔ یہ وصف شرعی جو ایمان کے احکام سے ہے اور یہ زائل نہیں ہوتا مگر ایمان سے جیسے پانی کے بغیر طہارت جائز نہیں ہوتی۔

مسئلہ نمبر 4۔ مِنْ جو مِنَ الْاَوْثَانِ کے ارشاد میں ہے، بعض علماء نے کہا: یہ جنس کے بیان کے لیے ہے یہاں صرف بتوں کی غلاظت سے نہی واقع ہوئی ہے اور باقی غلاظتوں سے نہی دوسرے مقام پر بیان ہوئی ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ یہ من ابتدا غایت کے لیے ہو گویا انہیں مطلقاً نجاست سے روکا پھر اس مبدء کو ان کے لیے متعین کر دیا جو انہیں لاحق تھا کیونکہ بت کی عبادت ہر فساد اور رجس کی جامع ہے۔ اور جنہوں نے کہا: من تبعیض کے لیے ہے انہوں نے آیت کا معنی الٹ کر دیا اور خراب کر دیا۔

مسئلہ نمبر 5۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ ۝ الزُّوْرِ باطل اور جھوٹ کو کہتے ہیں۔ زور کہا جاتا ہے کیونکہ حق سے پھیرا گیا ہوتا ہے، اسی سے ہے: تَّزٰوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ (الکہف: 17) مدینة زوراء یعنی مائلة ہر وہ چیز جو حق کے علاوہ ہے وہ کذب باطل اور زور ہے۔ حدیث میں ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے فرمایا: عُدِلَتْ شهادةُ الزور بالشرك بالله(2) بتوں کی عبادت، نہی میں شرک باللہ سے ملائی گئی ہے۔ یہ جملہ آپ نے دو مرتبہ فرمایا یا تین مرتبہ فرمایا(3)۔

مسئلہ نمبر 6۔ یہ آیت جھوٹی گواہی دینے کی وعید کو متضمن ہے۔ حاکم کے لیے مناسب ہے کہ جب اسے جھوٹے گواہ

1۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، سورۂ توبہ، جلد 2، صفحہ 136 2۔ سنن ابی داؤد، کتاب القضایا، باب فی شهادة الزور، جلد 2، صفحہ 150

3۔ جامع ترمذی کتاب الشہادات، باب ماجاء فی شهادة الزور، حدیث 2222۔ ابن ماجہ، کتاب الاحکام باب شهادة الزور، حدیث 2362

پر اطلاع ہو جائے تو اسے تعزیر لگائے اور اس کے متعلق لوگوں کو بتائے تا کہ وہ پہنچانا جائے اور کسی کو اپنی شہادت سے دھوکا نہ دے۔ اس کی شہادت میں حکم مختلف ہو جاتا ہے جب وہ توبہ کرے۔ اگر وہ پہلے اہل عدالت میں سے تھا عدالت کے ساتھ مشہور تھا اور اسے اچھا سمجھا جاتا تھا تو اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گا کیونکہ توبہ میں اس حالت تک پہنچنے کا کوئی ذریعہ نہیں کیونکہ وہ پہلے سے زیادہ نیکیاں کرنے کی طاقت ہی نہیں رکھتا۔ اور اگر پہلے وہ اتنا نیکی میں مشہور نہ تھا پھر توبہ کے بعد اس نے عبادت شروع کر دی اور تقویٰ کا پیکر بن گیا تو اس کی شہادت قبول کی جائے گی۔ صحیح میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے فرمایا: ان اکبر الکبائر الاشراک باللہ وعقوق الوالدین وشھادۃ الزور وقول الزور (1)، یعنی بڑے سے بڑا گناہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانا اور والدین کی نافرمانی کرنا اور جھوٹی گواہی دینا اور جھوٹی بات کرنا ہے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے تھے آپ آخری جملہ کا تکرار کرتے رہے حتیٰ کہ ہم نے کہا: کاش! آپ خاموش ہو جاتے (2)۔

مسئلہ نمبر 7۔ حُنَفَآءَ لِلّٰهِ اس کا معنی ہے مستقیم، مسلمان اور حق کی طرف مائل ہونا ہے۔ حنفاء کا لفظ اضداد میں سے ہے۔ استقامت پر واقع ہوتا ہے اور میل پر بھی واقع ہوتا ہے۔ اور حنفاء پر نصب حال کی بنا پر ہے۔ بعض نے کہا: حنفاء کا معنی حجاجاً ہے یہ تخصیص ایسی ہے جس کے ساتھ کوئی حجت نہیں ہے۔

مسئلہ نمبر 8۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ مَنْ یُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ یہ قیامت کے دن اس کی مانند ہوگا جو اپنے لیے نہ نفع کا مالک ہوگا اور نہ اپنے سے ضرر و عذاب کو دور کر سکے گا وہ اس کی مانند ہوگا جو آسمان سے گرا ہو۔ پس وہ اپنے نفس کے دفاع پر قادر نہ ہوگا۔ فَتَخْطَفُهُ الطَّیْرُ یعنی پرندوں نے اسے اپنے پنجوں سے کاٹ دیا ہو۔ بعض علماء نے کہا: یہ اس کی حالت اس کی روح کے نکلنے اور فرشتوں کے اس کی روح کو آسمان کی طرف لے جانے کے وقت ہوگی۔ آسمان کا دروازہ کھولا جائے گا پھر اس کی روح کو زمین کی طرف پھینک دیا جائے گا جیسا کہ حضرت براء کی حدیث میں ہے ہم نے اپنی کتاب التذکرہ میں یہ حدیث ذکر کی ہے۔ السحیق کا معنی بعید ہے اسی سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِیْرِ ○ (الملک) اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: فسحقاً فسحقاً (3) دور ہو جاؤ دور ہو جاؤ۔

ذٰلِكَ ٭ وَ مَنْ یُّعَظِّمْ شَعَآىِٕرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ﴿۳۲﴾ لَكُمْ فِیْهَا مَنَافِعُ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَاۤ اِلَى الْبَیْتِ الْعَتِیْقِ ﴿۳۳﴾

”حقیقت یہ ہے اور جو ادب و احترام کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کا تو یہ (احترام) اس وجہ سے ہے کہ دلوں میں تقویٰ ہے۔ تمہارے لیے مویشیوں میں طرح طرح کے فائدے ہیں ایک معین مدت تک پھر ان کے ذبح کرنے کا مقام بیت عتیق کے قریب ہے“۔

اس میں سات مسائل ہیں:

1۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الکبائر اکبرھا، جلد 1، صفحہ 64 2۔ جامع ترمذی، کتاب فضائل القرآن، باب ومن سورۃ النساء، 2945

3۔ صحیح بخاری، کتاب الشھادۃ، باب قیل فی شھادۃ الزور، جلد 1، صفحہ 362

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ذٰلِكَ، اس میں تین وجوہ ہیں۔ بعض نے کہا: مبتدا کی حیثیت سے محل رفع میں ہے تقدیر یوں ہوگی۔ ذالك أمرالله۔ یہ بھی جائز ہے کہ مبتدا محذوف کی خبر کی حیثیت سے مرفوع ہو اور یہ بھی جائز ہے کہ محل نصب میں ہو یعنی اتبعوا ذالك۔

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ، الشعائر جمع ہے شعیرہ کی۔ ہر وہ چیز جس میں اللہ تعالیٰ کا کوئی امر ہو جس سے وہ جانا پہچانا جائے اسی سے جنگ میں قوم کا شعار ہوتا ہے، یعنی ان کی ایک علامت ہوتی ہے جس سے وہ پہچانے جاتے ہیں اسی سے اِشعار البدن ہے اونٹ کی دائیں طرف میں نیزہ مارا جاتا ہے تاکہ خون بہہ جائے تو وہ اس کی علامت ہوتی ہے۔ یہ شعیرہ بمعنی مشعورہ کا ہے۔ شعائر اللہ سے مراد اس کے دین کی علامتیں ہیں خصوصاً جو حج کے مناسک کے متعلق ہیں۔ ایک قوم نے کہا: یہاں اس سے مراد اونٹوں کو موٹا کرنا اور اس کے معاملات کا اہتمام کرنا اور ان کو موٹا کرنے میں مبالغہ کرنا ہے، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور ایک جماعت کا قول ہے(1)۔ اس میں ایک لطیف اشارہ ہے وہ یہ ہے بعض اوقات آدمی اونٹ اس لیے خریدتا ہے کہ اس کی مجبوری ہوتی ہے وہ اخلاص پر دلالت نہیں کرتا اور جب جزا کے حصول کے لیے انہیں موٹا کرتا ہے تو اس سے شرع کی تعظیم کا عمل ظاہر ہوتا ہے یہ دلوں کے تقویٰ سے ہے۔ واللہ اعلم۔

مسئلہ نمبر 3۔ انہا کی ضمیر اس فعلہ کی طرف لوٹ رہی ہے جسے کلام اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہے اگر وہ انه فرمایا تو بھی جائز تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے ہا ضمیر شعائر کی طرف لوٹ رہی ہے یعنی شعائر کی تعظیم۔ مضاف کو حذف کیا گیا کیونکہ کلام اس پر دلالت کر رہی ہے پس ضمیر کنایہ شعائر کی طرف راجع ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ۞ القلوب کو رفع کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔ اس بنا پر کہ تقویٰ مصدر کا فاعل ہے۔ تقویٰ کی نسبت قلوب کی طرف کی گئی ہے کیونکہ تقویٰ کی حقیقت دل میں ہوتی ہے، اسی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحیح حدیث میں فرمایا: التقوى هاهنا(2) اپنے سینے کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: تقویٰ یہاں ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ یعنی تمہارے لیے اونٹوں میں منافع ہیں سوار ہونا، دودھ حاصل کرنا، نسل بڑھانا، اون حاصل کرنا وغیرہ جب ان کا مالک ان کو بطور ہدی نہ بھیجے۔ جب وہ انہیں بطور ہدی بھیجے تو اس کے لیے مدت متعین ہے: یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے: جب اونٹ بطور ہدی بھی ہو جائیں تو ضرورت کے وقت ان پر سوار ہونا اور اس کے بچے سے جو دودھ بچے اس کے لیے منافع ہیں۔ صحیح میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو اونٹ لے جاتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: ''اس پر سوار ہو جا'' اس نے عرض کی: حضور! یہ بدنہ ہے۔ فرمایا: ''سوار ہو جا''۔ اس نے پھر کہا: حضور! یہ بدنہ ہے۔ فرمایا: ''سوار ہو جا تیرے لیے ہلاکت ہو'' یہ دوسری یا تیسری مرتبہ فرمایا(3)۔ حضرت جابر بن عبداللہ سے مروی ہے اور ہدی پر سوار ہونے کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے کہا میں نے نبی کریم

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 121

2۔ صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب تحریم ظلم مسلم، جلد 2، صفحہ 317

3۔ مسند امام احمد، حدیث نمبر 7350

ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''جب تمہیں ضرورت ہو تو معروف طریقہ پر اس پر سوار ہو حتی کہ تم دوسری سواری پالو'' (1)۔ الاجل المسمیٰ سے مراد اس قول کی بنا پر ان کو نحر کرنا ہے۔ یہ عطاء بن ابی رباح کا قول ہے۔

مسئلہ نمبر 6۔ بعض علماء نبی کریم ﷺ کے ارشاد: ''تو اس پر سوار ہو جا'' کی وجہ سے بدنہ کی سواری کے وجوب کی طرف گئے ہیں اور جنہوں نے اس ارشاد کے ظاہر کو لیا ہے ان میں امام احمد، اسحاق اور اہل ظاہر ہیں۔ ابن نافع نے امام مالک سے روایت کیا ہے۔ بدنہ پر سوار ہونے میں کوئی حرج نہیں اور مشہور یہ ہے کہ امام مالک بغیر مجبوری کے اس پر سواری نہیں کرتے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کی وجہ سے کیونکہ وہ متقید ہے اور مقید، مطلق پر غالب ہوتا ہے۔ اسی طرح امام شافعی اور امام ابوحنیفہ نے بھی کہا ہے، اور پھر جب ضرورت کی وجہ سے سوار ہوگا تو ضرورت پوری ہونے پر اتر جائے گا؛ یہ اسماعیل قاضی کا قول ہے۔ یہی وہ بات ہے جس پر امام مالک کا مذہب دلالت کرتا ہے۔ یہ اس کے برعکس ہے جو ابن قاسم نے ذکر کیا ہے کہ اس پر اترنا لازم نہیں اور ان کی دلیل نبی کریم ﷺ کا اس کی سواری کو مباح قرار دینا ہے۔ اور سرکار دو عالم ﷺ کا ارشاد: اذا الجئت الیھا حتی تجد ظھرا۔ امام شافعی اور امام ابوحنیفہ کے قول کی حجت پر دلالت کرتا ہے؛ اور اسی طرح جو اسماعیل قاضی نے امام مالک کا مذہب بیان کیا ہے اس کی صحت پر دال ہے اور صراحۃً مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے آدمی کو فرمایا: ''تو سوار ہو''۔ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی نے فرمایا: مباح سوار ہونا بھی اس کی کمی و نقصان کا باعث ہو تو اس پر اس کی قیمت ہے اور اسے صدقہ کرے۔

مسئلہ نمبر 7۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ثُمَّ مَحِلُّهَآ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ۝ یعنی وہ بیت اللہ تک پہنچ جائے اور وہ طواف ہے پس محلھا بہ محرم کے احرام اتارنے سے ماخوذ ہے معنی یہ ہے کہ حج کے تمام شعائر وقوف عرفہ، رمی جمار، سعی، بیت اللہ کے طواف افاضہ پر ختم ہوتے ہیں۔ اس تاویل پر بیت سے مراد بیت اللہ ہی ہے؛ یہ امام مالک نے مؤطا میں کہا ہے۔ عطا نے کہا: مکہ تک پہنچ جائے۔ امام شافعی نے کہا: حرم تک پہنچ جائے۔ اس بناء پر شعائر سے مراد بدن (اونٹ) ہیں۔ شعائر کے متعلق عموم کے قول ہوتے ہوئے تخصیص کی کوئی وجہ نہیں اور بیت اللہ کا ذکر خصوصیت کو لغو کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ۗ فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗۤ اَسْلِمُوْا ۗ وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ۝

''اور ہر امت کے لیے ہم نے مقرر فرمائی ہے ایک قربانی تاکہ وہ ذکر کریں اللہ تعالیٰ کا اسم (پاک) ان بے زبان جانوروں پر ذبح کے وقت جو اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا فرمائے ہیں پس تمہارا خدا خدائے واحد ہے تو اسی کے آگے سر جھکاؤ اور (اے محبوب) مژدہ سنایئے تواضع کرنیوالوں کو''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا جب اللہ تعالیٰ نے ذبائح کا ذکر کیا تو بیان فرمایا کہ کوئی امت بھی اس حکم سے خالی نہ تھی۔ امت اس قوم کو کہتے ہیں جو ایک مذہب پر جمع ہو یعنی ہر مومن جماعت کے لیے ہم نے قربانی مقرر

1۔ مسند امام احمد، حدیث نمبر 14413

فرمائی۔ المنسک کا معنی ذبح کرنا اور خون بہانا ہے؛ یہ مجاہد کا قول ہے۔ کہا جاتا ہے: نسک جب ذبح کرے ینسک نسکاً، ذبیحہ کو نسیکۃ کہا جاتا ہے اس کی جمع نُسُك ہے اسی سے ہے اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ (البقرہ: 196) النسک کا معنی طاعت بھی ہے۔ ازہری نے اس قول وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا کے تحت فرمایا کہ یہاں یہ نحر کی جگہ پر دلالت کرتا ہے۔ مراد قربانی کی جگہ ہے۔ کہا جاتا: مَنْسَك و مَنْسِك یہ دونوں لغتیں ہیں اور دونوں طرح پڑھا بھی گیا ہے۔ عاصم کے سوا کوفیوں نے سین کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ باقی قراء نے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ فراء نے کہا: کلام عرب میں المنسک خیر و شر کی معتاد جگہ کو کہتے ہیں۔ بعض نے کہا: اس سے مراد مناسک حج ہیں کیونکہ لوگ ان کی طرف بار بار لوٹتے ہیں وقوف عرفہ، رمی جمار اور سعی۔ ابن عرفہ نے وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا کے متعلق کہا جب کوئی قوم پہلے مسلک پر چلے۔ پہلا قول اظہر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ یعنی جو اس نے دیا ہے اسے ذبح کرتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے ذکر کے ساتھ ذبح کرنے کا حکم دیا تا کہ ذبح اس کے لیے ہو کیونکہ اس کا عطا کرنے والا ہے پھر سابقہ امتوں کے متعلق خبر دینے کے لفظ سے حاضرین کی خبر دینے کی طرف رجوع کیا اس کا معنی ہے فرمایا: تم تمام کے لیے ایک خدا ہے اسی طرح ذبیحہ کے امر میں ہے اس کی خاطر ہونا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَلَهٗۤ اَسْلِمُوْا اس کا معنی ہے اس کے حق کی خاطر، اس کی وجہ سے اس کے انعام کی بنا پر ایمان لے آؤ اور اسلام قبول کرو۔ یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے مراد اطاعت کرنا اور سرنگوں کرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ۝، المخبت تواضع کرنے والا شخص مراد ہے۔ الخبت کا معنی ہے جو زمین کے نیچے ہے اور یعنی انہیں ثواب اور جزا کی بشارت دو۔ عمرو بن اوس نے کہا: المخبتون وہ لوگ ہوتے ہیں جو ظلم نہیں کرتے جب ان پر ظلم کیا جاتا ہے تو انتقام نہیں لیتے۔ مجاہد نے کہا: سفیان نے ابن جریج سے روایت کیا ہے المخبتون جو اللہ کے حکم پر مطمئن ہوتے ہیں۔

الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَاۤ اَصَابَهُمْ وَالْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ ۙ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝

”وہ لوگ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل ڈرنے لگتے ہیں اور جو صبر کرنے والے ہیں ان (مصائب و آلام) پر جو پہنچتے ہیں انہیں اور جو صحیح ادا کرنے والے ہیں نماز کو اور ان چیزوں سے جو ہم نے انہیں عطا فرمائی ہیں وہ خرچ کرتے ہیں“۔

اس میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ یعنی ان کے دل اللہ تعالیٰ کی مخالفت سے ڈرتے ہیں اس کے ذکر کے وقت خوف اور ڈر سے متصف ہوتے ہیں یہ ان کی قوت یقین اور اپنے رب کی طرف توجہ کے سبب ہوتا ہے گویا وہ اس کے سامنے ہیں اور ان کا وصف بیان فرمایا کہ وہ صبر کرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور اس پر دوام اختیار کرتے ہیں۔

روایت ہے کہ یہ آیت وَ بَشِّرِ الْمُخْبِتِیْنَ حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت علی رضی اللہ عنہم کے بارے میں نازل ہوئی۔ جمہور نے الصلاۃ کو اضافت کی وجہ سے مجرور پڑھا ہے (1) اور ابو عمرو نے الصلاۃ کو نون کے توہم کی بنا پر منصوب پڑھا ہے (2)۔ اسم کی طوالت کی وجہ سے نون کا حذف تخفیف کے لیے ہے۔ سیبویہ نے یہ دلیل دی ہے: الحافظوا عورۃ العشیرۃ۔

مسئلہ نمبر 2۔ یہ آیت اس قول کی طرح ہے: اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَ اِذَا تُلِیَتْ عَلَیْهِمْ اٰیٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِیْمَانًا وَّ عَلٰى رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ (الانفال)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِیَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِیْنُ جُلُوْدُهُمْ وَ قُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ (الزمر: 23)

یہ اللہ تعالیٰ کی معرفت رکھنے والوں اور اس کی سطوت و عقوبت سے ڈرنے والوں کی حالت ہے نہ کہ جہال عوام اور بدعتیوں کی جو شور مچاتے ہیں اور گدھوں کے ہینگنے کی طرح ہینگتے ہیں۔ پس جو ایسا واویلا کرتا ہے اور اسے وجد اور خشوع کہا جاتا ہے تو کبھی بھی اللہ تعالیٰ کی معرفت، اس کے خوف اور اس کے جلال میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب کی حالت کو نہیں پہنچ سکتا اس کے باوجود وعظ کے وقت وہ اللہ تعالیٰ کے کلام کو سمجھتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے خوف سے روتے تھے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اہل معرفت کی اس کے ذکر اور قرآن کی تلاوت کے وقت کے احوال کی تعریف کی ہے جو اس کیفیت میں نہیں ہوتا وہ ہدایت اور ان کے راستہ پر نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَ اِذَا سَمِعُوْا مَاۤ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰۤى اَعْیُنَهُمْ تَفِیْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَاۤ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِیْنَ (المائدہ)

یہ ان کے حال کی صفت ہے اور مقال کی حکایت ہے پس جو سنت پر عمل کرنے والا ہے وہ سنت پر عمل کرے اور جو مجانین اور جنون کے احوال کرے تو وہ ان کی بنسبت بری ترین حالت پر ہے جنون فنون ہے۔ صحیح میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ لوگوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیے اور سوالوں کی کثرت کی۔ ایک دن آپ نکلے اور منبر پر چڑھے فرمایا: سلونی لا تسألونی عن شئ إلا بینتہ لکم ما دمت فی مقامی ھذا (3)۔ مجھ سے پوچھو تم کسی چیز کے بارے سوال نہیں کرو گے مگر میں تمہیں اس کے متعلق بتاؤں گا جب تک میں اس جگہ پر کھڑا ہوں۔ جب لوگوں نے یہ سنا تو وہ خاموش ہو گئے اور ڈر گئے کہ کوئی امر آچکا ہے۔ حضرت انس نے فرمایا: میں نے اپنے دائیں بائیں دیکھا تو ہر انسان اپنا سر اپنے کپڑوں میں چھپائے ہوئے رو رہا تھا (الحدیث)۔ اس مسئلہ میں گفتگو سورۂ انفال میں تفصیلاً گزر چکی ہے۔ والحمد للہ۔

وَ الْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآىِٕرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِیْهَا خَیْرٌ ۖ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَیْهَا صَوَآفَّ ۚ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَ اَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَ الْمُعْتَرَّ ؕ كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۳۶﴾

''اور قربانی کے فربہ جانوروں کو ہم نے بنایا ہے تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے تمہارے لیے ان

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 122 2۔ ایضاً 3۔ صحیح مسلم، کتاب الفضائل، جلد 2، صفحہ 263

میں بھلائی ہے پس لو اللہ تعالیٰ کا نام ان پر اس حال میں کہ ان کا ایک پاؤں بندھا ہوا اور تین پر کھڑے ہوں پس جب وہ گر پڑیں کسی پہلو پر تو خود بھی کھاؤ اس سے نیز کھلاؤ قناعت کرنے والے فقیر کو اور بھیک مانگنے والے کو، اس طرح ہم نے فرمانبردار بنادیا ان جانوروں کو تمہارے لیے تاکہ تم (اس احسان کا) شکریہ ادا کرو"۔

اس میں دس مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَالْبُدْنَ ابن اسحاق نے والبُدُن پڑھا ہے۔ یہ دونوں لغتیں ہیں اس کا واحد بدنۃ ہے جیسے کہا جاتا ہے: ثمرۃ وثُمُرو ثُمْر، خشبۃ کی جمع خُشُب وخُشْب۔ قرآن حکیم میں ہے وَّ كَانَ لَهٗ ثَمَرٌ (الکہف: 34) ثُمْر بھی پڑھا گیا ہے یہ دو لغات ہیں۔ اس کو بدنۃ اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ وہ موٹا ہوتا ہے۔ البدانۃ کا معنی موٹاپا ہے۔ بعض علماء نے کہا یہ اونٹ کے ساتھ خاص ہے۔ بعض نے کہا: البدن، بدن کی جمع ہے باء اور دال کے فتحہ کے ساتھ، کہا جاتا ہے: بدن الرجل دال کے ضمہ کے ساتھ جب آدمی موٹا ہو جائے۔ بدّن جب آدمی بڑی عمر کا ہو جائے۔ حدیث میں ہے: انی بدنت (1) یعنی میں بوڑھا ہو چکا ہوں۔ بَدُنْتُ مروی ہے اس کا کوئی معنی نہیں کیونکہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت کے خلاف ہے اس کا معنی ہے گوشت کا زیادہ ہونا۔ کہا جاتا ہے: بدن الرجل بدناً وبدانۃ فھو بادن یعنی موٹا ہونا۔

مسئلہ نمبر 2۔ علماء کا اختلاف ہے کہ وَالْبُدْنَ کا اطلاق اونٹ کے علاوہ گائے پر ہوتا ہے یا نہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، عطا اور شافعی نے کہا: گائے پر اس کا اطلاق نہیں ہوتا۔ امام مالک اور امام ابوحنیفہ نے کہا: اس کا اطلاق گائے پر ہوتا ہے۔ اختلاف کا فائدہ اس وقت مرتب ہوتا ہے جب کوئی شخص بدنہ کی نذر مانے اور پھر وہ اونٹ نہ پائے اور اونٹ پر قادر نہ ہو اور گائے پر قادر ہو تو کیا گائے اس نذر میں جائز ہو گی یا نہیں؟ امام شافعی اور عطا کے مذہب پر جائز نہ ہو گی اور امام مالک اور امام ابوحنیفہ کے مذہب پر جائز ہو گی۔ صحیح مذہب امام شافعی اور عطا کا ہے کیونکہ صحیح حدیث "جمعہ کے دن کے بارے میں جو پہلی گھڑی میں مسجد کی طرف گیا گویا اس نے بدنہ (اونٹ) کی قربانی کی جو دوسری گھڑی میں پہنچا اس نے گویا گائے کی قربانی کی" (2)۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گائے اور اونٹ میں تفریق فرمائی۔ یہ دلیل ہے کہ گائے کو بدنہ نہیں کہا جاتا اور اسی طرح فاذا وجبت جنوبھا بھی اس پر دلالت کرتا ہے کیونکہ یہ وصف اونٹ کے ساتھ خاص ہے۔ گائے، بکری کی طرح پہلو کے بل لٹائی جاتی ہے اور ذبح کی جاتی ہے جیسا کہ آگے آئے گا۔ ہماری دلیل کہ بدنہ، بدانۃ سے ماخوذ ہے جس کا مطلب ہے موٹاپا۔ تو موٹاپا دونوں میں پایا جاتا ہے، نیز گائے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں خون بہانے کے اعتبار سے اونٹ کی طرح ہی ہے قربانی گائے کی ہو تو اس میں سات حصص جائز ہیں جیسے اونٹ میں سات حصص جائز ہیں۔ یہ امام ابوحنیفہ کی حجت ہے۔ امام شافعی نے اس پر ان کی موافقت کی ہے یہ ہمارے مذہب میں نہیں ہے۔ ابن شجرہ نے حکایت کیا ہے۔ بکری کو بھی بدنہ کہا جاتا ہے۔ یہ شاذ قول ہے۔ البدن

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلوٰۃ، مایؤمر بہ الماموم، جلد 1، صفحہ 91
ایضاً، سنن ابن ماجہ، کتاب اقامۃ الصلوٰۃ والسنۃ فیھا، باب النھی عن ان یسبق الامام بالرکوع والسجود، حدیث نمبر 952
2۔ صحیح بخاری، کتاب الجمعہ، فضل الجمعہ، جلد 1، صفحہ 121

سے مراد اونٹ ہیں جو کعبہ کی طرف بھیجے جاتے ہیں اور الھدی کا لفظ عام ہے اس کا اطلاق اونٹ، گائے اور بکری پر ہوتا ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ یہ نص ہے کہ یہ شعائر کا بعض ہیں۔ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ اس سے مراد وہ منافع ہیں جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ درست عموم ہے یعنی دنیا و آخرت کی خیر۔

مسئلہ نمبر 4۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ یعنی اللہ تعالیٰ کا نام لے کر نحر کرو۔ صَوَآفَّ جن کے پاؤں باندھے گئے ہوں اونٹ کھڑا ہوا نحر کیا جاتا ہے جبکہ اسکا ایک پاؤں باندھا گیا ہوتا ہے۔ اس وصف کی اصل گھوڑے میں ہے۔ کہا جاتا ہے: صفن الفرس فهو صافن جب گھوڑا تین پاؤں پر کھڑا ہو چوتھے پاؤں کا سُم صرف لگائے ہوئے ہو۔ اونٹ کو جب وہ نحر کرنے کا ارادہ کرتے تو اس کا ایک پاؤں باندھ دیتے اور تین پاؤں پر کھڑا ہوتا۔ حسن، اعرج، مجاہد، زید بن اسلم اور حضرت ابو موسیٰ اشعری نے صوافی پڑھا ہے۔ خالص اللہ تعالیٰ کے لیے وہ اس کے ساتھ ان کو نحر کرتے وقت کسی کو شریک نہیں کرتے۔ حسن سے صواف فاء کے کسرہ اور تنوین کے ساتھ مخففہ مروی ہے (1)۔ یہ پہلے لفظ کے معنی میں ہے لیکن بغیر قیاس کے تخفیفاً یاء حذف کی گئی ہے اور صواف جمہور کی قرات ہے۔ فاء کے فتحہ اور شد کے ساتھ یہ صفت یصفت سے مشتق ہے اس کا واحد صافة ہے اور صوافی کا واحد صافية ہے۔ حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم اور ابو جعفر، محمد بن علی نے صوافن نون کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ صافنة کی جمع ہے اس کا واحد صافن نہیں ہے کیونکہ فاعل کی جمع فواعل کے وزن پر نہیں آتی سوائے مخصوص الفاظ کے جن پر قیاس نہیں کیا جاتا۔ وہ یہ الفاظ ہیں۔ فارس جمع فوارس، هالك جمع هوالك، خالف جمع خوالف۔ الصافنة وہ اونٹ جس کا ایک پاؤں باندھ کر اوپر کیا گیا ہوتا ہے تاکہ حرکت نہ کرے۔ اسی سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: الصّٰفِنٰتُ الْجِيَادُ (ص)

عمرو بن کلثوم نے کہا:

ترکنا الخیلَ عاکفةً علیه مقلَّدةً أعنَّتَها صُفُونا

اور مروی ہے:

تظل جیادُہ نوحًا علیه مقلَّدةً أعنَّتها صفونا

اور ایک شاعر نے کہا:

أَلِفَ الصُّفونَ فما یزال كأنه مما یقوم على الثلاث کسیرا

ابو عمرو جرمی نے کہا: الصافن اگلے پاؤں میں ایک رگ ہے جب گھوڑے کو مارا جاتا ہے تو وہ پاؤں اٹھا لیتا ہے۔

اعشی نے کہا:

وکل کمیت کجذع السحوق یزمن الغناء اذا ما صفن

مسئلہ نمبر 5۔ ابن وہب نے کہا: ابن ابی ذئب نے مجھے بتایا کہ ابن شہاب سے انہوں نے الصواف کے متعلق

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 122

پوچھا تو انہوں نے کہا: تو اس کو باندھے پھر اس کا وصف بیان کرے۔ حضرت مالک بن انس نے مجھے اسی کی مثل بتایا۔ علماء اس کے استحباب کے قائل ہیں مگر امام ابو حنیفہ اور ثوری ان کو کھڑا کر کے اور بٹھا کر نحر کرنا بھی جائز قرار دیتے ہیں۔ عطا نے شاذ قول کہا ہے، اس نے مخالفت کی ہے اور بٹھا کر نحر کرنے کو مستحب کہا ہے۔ صحیح قول جمہور کا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا اس کا معنی ہے نحر ہونے کے بعد جب وہ گر جائیں۔ اسی سے ہے: وجبت الشمس سورج غروب ہوا۔ صحیح مسلم میں زیاد بن جبیر سے مروی ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ایک شخص کے پاس آئے وہ اپنے اونٹ کو بٹھا کر نحر کر رہا تھا (1)۔ آپ نے فرمایا: اس کو کھڑا کرو ایک پاؤں باندھو یہ تمہارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ ابوداؤد نے ابوزبیر سے انہوں نے حضرت جابر سے روایت کیا ہے اور مجھے عبدالرحمٰن بن سابط نے خبر دی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام اونٹوں کو اس طرح نحر کرتے تھے کہ ان کا بایاں پاؤں باندھا ہوتا تھا اور تین پاؤں پر کھڑے ہوتے تھے (2)۔

مسئلہ نمبر 6۔ امام مالک نے کہا: انسان کمزور ہو یا اسے اونٹ کے بھاگ جانے کا خوف ہو تو میں کوئی حرج نہیں دیکھتا کہ وہ باندھ کر نحر کرے۔ بہتر یہ ہے کہ اونٹ کھڑا ہو باندھا ہوا نہ ہو تو نحر کیا جائے مگر ایسا مشکل ہو تو باندھا جائے اور کونچیں نہ اٹھائے مگر یہ کہ اسے کمزوری کا خوف ہو یا اس پر طاقت نہ رکھتا ہو تو اسے بٹھا کر نحر کرنا افضل ہے بنسبت کونچیں کاٹنے کے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جوانی میں اپنے ہاتھوں میں نیزہ لیتے تھے اور اونٹ کے سینے میں مارتے تھے اور اس کی کہان سے نکالتے تھے جب بوڑھے ہو گئے تھے تو کمزوری کی وجہ سے بٹھا کر نحر کرتے تھے۔ ان کے ساتھ ایک اور شخص نیزہ پکڑتا تھا اور ایک شخص اس کی مہار پکڑتا تھا۔ گائے اور بکری کو لٹا کر ذبح کیا جائے گا۔

مسئلہ نمبر 7۔ بالاجماع دسویں کے دن فجر سے پہلے نحر کرنا جائز نہیں اور اسی طرح قربانی بھی فجر سے پہلے جائز نہیں جب فجر طلوع ہو تو منیٰ میں نحر کرنا حلال ہو جاتا ہے ان لوگوں پر امام کے نحر کرنے کا انتظار ضروری نہیں بخلاف دوسرے شہروں کے۔ ہر حاجی کے لیے منیٰ نحر کرنے کی جگہ ہے اور ہر عمرہ کرنے والے کیلئے مکہ منحر ہے اگر حاجی مکہ میں نحر کرے اور عمرہ کرنے والا منیٰ میں نحر کرے تو کوئی حرج نہیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

مسئلہ نمبر 8۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا جب سورج غروب ہوتا ہے تو کہا جاتا ہے: وجبت الشمس اور جب دیوار گر جاتی ہے تو کہتے ہیں: وجب الحائط۔ قیس بن خطیم نے کہا:

أطاعت بنوعوف أميرا نها هم عن السِّلْم حتى كان أوّلَ واجبِ

اوس بن حجر نے کہا:

ألم تكسف الشمسُ والبدرُ وال كواكبُ للجبل الواجب

پس اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا یعنی جب مردہ ہو کر پہلو کے بل گر پڑیں۔ پہلو کے بل گرنے کو موت

1۔ صحیح مسلم، کتاب الحج، استحباب النحر الابل، جلد 1، صفحہ 424

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الحج، کیف تنحر البدن، جلد 1، صفحہ 246

سے کنایہ کیا جیسا کہ: فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا کے ارشاد سے ذبح اور نحر سے کنایہ ہے۔ کنایات اکثر مواقع میں تصریح سے زیادہ بلیغ ہوتے ہیں۔ شاعر نے کہا:

فتركته جَزَرَ السباعِ يَنُشْنه ما بين قُلّه رأسه والمِعْصَم

عنترہ نے کہا: وضربت قرنی کبشها فتجدلا یعنی مقتول ہو کر زمین کی طرف گر پڑا۔ اس کی بہت سی مثالیں ہیں اور الوجوب للجنب بعد النحر خون کے نکلنے اور روح کے نکلنے کی علامت ہے اور وہ کھانے کا وقت ہے یعنی کھانے کے وقت کے قریب، کیونکہ پہلے اس کی کھال اُتاری جاتی ہے اور ذبیحہ میں سے کچھ کاٹا جاتا ہے پھر پکایا جاتا ہے اور کھال نہیں اتاری جاتی حتی کہ ٹھنڈا ہو جائے کیونکہ اس سے پہلے کھال اتارنا اسے عذاب دینے کے باب سے ہے اسی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: روح کے نکلنے سے پہلے کھال اتارنے میں جلدی نہ کرو۔

مسئلہ نمبر 9۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَكُلُوْا مِنْهَا امر بمعنی ندب ہے تمام علماء کے نزدیک ہدی کے گوشت سے کچھ کھانا مستحب ہے اس میں اجر اور حکم کی پیروی ہے کیونکہ زمانہ جاہلیت میں لوگ اپنی ہدی سے نہیں کھاتے تھے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ ابو العباس بن شریح نے کہا: خود کھانا اور دوسروں کو کھلانا مستحب ہے۔ ان میں سے جس پر چاہے اکتفا کر لے۔ امام شافعی نے فرمایا: کھانا مستحب ہے اور دوسروں کو کھلانا واجب ہے اگر تمام گوشت دوسروں کو کھلا دے تو بھی جائز ہے۔ اگر تمام خود کھالے تو جائز نہیں یہ اس صورت میں ہے جب ہدی نفلی ہو اور واجبی ہدی اس سے کھانا جائز نہیں جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

مسئلہ نمبر 10۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ مجاہد، ابراہیم اور طبری نے کہا: اطعموا کا امر اباحت کے لیے ہے۔ الْقَانِعَ سے مراد سائل ہے۔ کہا جاتا ہے: قنع الرجل یقنع قنوعاً جب کوئی سوال کرے ماضی میں نون کے فتحہ کے ساتھ ہے اور مضارع میں کسرہ کے ساتھ ہے۔ یقنع قناعة فهو قنع جب کوئی سوال کرنے سے بچے اور تھوڑی سی چیز کے ساتھ مستغنی ہو جائے اور سوال نہ کرے جیسے: حمد یحمد۔ قناعة وقنعا وقنعاناً؛ یہ خلیل کا قول ہے۔ پہلے سے شماخ کا قول ہے:

لَمَالُ المرء يُصلِحه فَيُغنِي مفاقِرَه أعفُّ من القُنُوع(1)

ابن السلت نے کہا: بعض عربوں نے قنوع بمعنی قناعت ذکر کیا ہے جس کا معنی ہے راضی ہونا، سوال کرنے سے بچنا اور سوال نہ کرنا۔ ابو رجاء سے مروی ہے کہ انہوں نے: اطعموا القنع پڑھا ہے یہ پہلے مفہوم کے مخالف ہے۔ کہا جاتا ہے: قنع الرجل فهو قنع جب کوئی راضی ہو۔ رہا المعتر تو یہ وہ شخص ہوتا ہے جو تیرے ارد گرد چکر لگاتا ہے وہ طلب کرتا ہے وہ تیرے پاس ہے خواہ وہ سوال کرے یا خاموش رہے۔ محمد بن کعب قرظی، مجاہد، ابراہیم، کلبی، حسن بن ابی الحسین نے کہا: المعتر جو بغیر سوال کے سامنے آتا ہے۔ زہیر نے کہا:

على مُكْثِرِيهم رزقُ من يعتريهم وعند المُقِلّين السماحةُ والبَذْلُ

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 123

امام مالک نے کہا: جو میں نے بہتر سنا ہے وہ یہ ہے کہ القانع فقیر ہے اور المعتز زائر ہے۔ حسن سے مروی ہے کہ انہوں نے المعتری پڑھا ہے۔ اس کا معنی بھی المعتر والا ہے۔ کہا جاتا ہے: اعترہ واعتراہ وعرہ وعراہ جو کسی کے پاس اس کے لیے تعرض کرے یا طلب کرے؛ یہ نحاس نے ذکر کیا ہے۔

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ۭ كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ ۭ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ (37)

''نہیں پہنچتے اللہ تعالیٰ کو ان کے گوشت اور نہ ان کے خون البتہ پہنچتا ہے اس کے حضور تقویٰ تمہاری طرف سے، یوں اس نے فرمانبردار بنا دیا ہے انہیں تمہارے لیے تاکہ تم بڑائی بیان کرو اللہ تعالیٰ کی اس (نعمت) پر کہ اس نے تم کو ہدایت دی ہے اور (اے حبیب!) خوشخبری دیجیے احسان کرنے والوں کو''۔

اس میں پانچ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: زمانہ جاہلیت میں لوگ اونٹوں کا خون بیت اللہ پر مل دیتے تھے پھر مسلمانوں نے بھی ایسا کرنے کا ارادہ کیا تو یہ آیت نازل ہوئی، النیل باری تعالیٰ کے متعلق نہیں ہوتا لیکن قبولیت کی مجازی تعبیر ہے مطلب یہ ہے کہ اس کی بارگاہ میں نہیں پہنچے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس کی طرف بلند نہیں ہوگا۔ ابن عیسیٰ نے کہا: ان کے گوشت اور خون قبول نہیں کرے گا لیکن اس کی بارگاہ میں تمہاری طرف سے تقویٰ پہنچتا ہے یعنی جو اس کی ذات کا ارادہ کیا گیا ہے۔ اس کو اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے اور وہ اس کی طرف بلند ہوتا ہے، وہ اسے سنتا ہے اور اس پر ثواب دیتا ہے؛ اسی سے حدیث ہے: ''اعمال کا دارومدار نیت پر ہے'' (1) اور لن ینال اللہ وینالہ دونوں جگہ یاء کے ساتھ ہے اور یعقوب سے دونوں جگہ اللحوم کا اعتبار کرتے ہوئے تاء کے ساتھ مروی ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ اللہ تعالیٰ نے اتنے بڑے بڑے جانوروں کو ہمارے لیے مطیع بنا کر اور ہمیں ان پر تصرف کی قدرت دے کر ہم پر احسان فرمایا، حالانکہ بدن اور اعضاء کے اعتبار سے ہم سے قوی ہیں اور بڑے ہیں۔ یہ اس لیے ہے تاکہ بندے کو معلوم ہو جائے یہ امور ایسے نہیں جیسے بندے کے لیے ظاہر ہوتے ہیں بلکہ یہ ایسے ہوتے ہیں جیسے وہ غالب وقادر ارادہ فرماتا ہے۔ پس چھوٹا، بڑے پر غالب ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ اللہ تعالیٰ نے اس سے قبل آیت میں ان جانوروں پر اپنا نام ذکر کرنے کو بیان کیا تھا فرمایا: فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا اور اب یہاں تکبیر کا ذکر فرمایا اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما دونوں کو جمع فرماتے تھے جب ہدی کو نحر کرتے تھے۔ وہ کہتے تھے بسم اللہ واللہ اکبر یہ ان کی فقہ سے ہے۔ صحیح میں حضرت انس سے مروی ہے فرمایا: نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے دو سینگوں والے چتکبرے مینڈھے ذبح کیے (2)، اور فرمایا: میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم

1۔ صحیح بخاری، کتاب الایمان، کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، جلد 1، صفحہ 2

2۔ صحیح بخاری، کتاب الحج، نحر البدن بیدہ، جلد 1، صفحہ 231

کو انہیں ہاتھ سے ذبح کرتے دیکھا اور میں نے دیکھا کہ آپ اپنا قدم ان کے کندھے پر رکھے ہوئے تھے آپ نے بسم اللہ اور تکبیر پڑھی۔ علماء کا اس میں اختلاف ہے۔ ابوثور نے کہا: ذبح میں بسم اللہ متعین ہے جس طرح نماز میں تکبیر متعین ہے اور تمام علماء اس کے استحباب پر متفق ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے کوئی اور اسم ذکر کردے اور اس سے بسم اللہ کا ارادہ کرے تو بھی جائز ہے اسی طرح اگر صرف اللہ اکبر کہا یا لا الہ الا اللہ کہا تو بھی جائز ہے؛ یہ ابن حبیب کا قول ہے۔ اگر اس سے بسم اللہ کا ارادہ نہ کیا تو بسم اللہ کی طرف سے جائز نہ ہوگا اور جانور نہیں کھایا جائے؛ یہ امام شافعی اور امام محمد بن حسن کا قول ہے۔ ہمارے اصحاب اور دوسرے علماء کے نزدیک ذبح کے وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود یا آپ کا ذکر مکروہ ہے اور فرماتے ہیں: ذبح کے وقت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے۔ امام شافعی نے ذبح کے وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود کو جائز کہا ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ جمہور علماء کا خیال ہے کہ قربانی کرنے والے کا اللھم تقبل منی اے اللہ! میری طرف سے قبول فرما۔ کہنا جائز ہے۔ یہ امام ابوحنیفہ نے مکروہ کہا ہے۔ اور امام صاحب پر حجت حضرت عائشہ کی روایت ہے جس میں ہے پھر کہا: باسم اللہ اللھم تقبل من محمد و آل محمد و من امۃ محمد (1) پھر اس کو قربان کیا۔ بعض علماء نے نص قرآنی رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۖ إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿﴾ (البقرہ) کی وجہ سے یہ کہنا مستحب ہے۔ امام مالک نے یہ قول مکروہ کہا ہے: اللھم منك والیك۔ امام مالک نے فرمایا: یہ بدعت ہے۔ ابن حبیب جو ہمارے علماء میں سے ہیں اور حسن نے اس کو جائز قرار دیا ہے ان دونوں کے قول کی صحت کی دلیل ابوداؤد کی روایت ہے جو انہوں نے حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت کی ہے (2) فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ذبح کے دن دو سینگوں والے خصی چتکبرے مینڈھے ذبح کیے جب انہیں لٹایا تو یہ پڑھا: إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا الی قولہ وانا اول المسلمین اللھم منك ولك عن محمد وامۃ باسم اللہ واللہ اکبر پھر ذبح فرمایا۔ شاید امام مالک کو یہ خبر نہ پہنچی ہو یا ان کے نزدیک صحیح نہ ہو یا عمل اس کے مخالف دیکھا ہو اس بنا پر فرمایا یہ بدعت ہے۔ واللہ اعلم۔

مسئلہ نمبر 5۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِينَ ﴿﴾ روایت ہے کہ یہ خلفاء اربعہ کے بارے میں نازل ہوئی جیسا کہ اس سے پہلے آیت میں گزرا ہے۔ لفظ کا ظاہر عموم کا تقاضا کرتا ہے کہ ہر محسن کے بارے میں ہے۔

إِنَّ اللَّهَ يُدَافِعُ عَنِ الَّذِينَ آمَنُوا ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُورٍ ﴿٣٨﴾

"یقیناً اللہ تعالیٰ حفاظت کرتا ہے اہل ایمان کی (کفار کے مکروہ فریب سے) بیشک اللہ تعالیٰ دوست نہیں رکھتا کسی دھوکا باز احسان فراموش کو"۔

روایت ہے کہ یہ مومنین کے سبب نازل ہوئی جب مکہ میں ان کی کثرت ہوئی تو کفار نے انہیں اذیتیں دیں اور بعض حبشہ

1۔ صحیح مسلم، کتاب الاضاحی، جلد 2، صفحہ 155

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الضحایا، ما یستحب من الضحایا، جلد 2، صفحہ 30۔ ایضاً سنن ابن ماجہ، باب اضاحی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، 3111

کی طرف ہجرت کر گئے اور بعض مومنین نے ارادہ کیا کہ جس کافر پر غالب آئیں اسے قتل کر دیں اور دھوکہ اور حیلہ سازی کی کوشش کریں تو یہ آیت نازل ہوئی اس میں اللہ تعالیٰ نے مدافعت کا وعدہ فرمایا اور خیانت و غدر سے بڑے بلیغ انداز میں منع فرمایا۔ دھوکہ دینے میں شدت سورۃ الانفال میں بھی گزر چکی ہے۔ ''قیامت کے روز دھوکہ دینے والے کے لیے اس کی سرین کے پاس ایک جھنڈا گاڑھا جائے گا جو اس کے دھوکا کی مقدار کا ہوگا'' (1)۔ کہا جائے گا: یہ فلاں کا دھوکہ ہے۔ بعض نے فرمایا: اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ مومنین کو ہمیشہ توفیق عطا فرماتا رہے گا حتی کہ ایمان ان کے دلوں میں راسخ ہو جائے گا اور کفار ان کو اپنے دین سے پھیرنے پر قادر نہ ہوں گے اگرچہ اکراہ جاری رہے گا پس اللہ تعالیٰ انہیں محفوظ رکھے گا حتی کہ وہ دلوں سے مرتد نہ ہوں گے۔ بعض علماء نے فرمایا: اللہ تعالیٰ حجت کے ذریعے مومنین کو بلندی عطا فرمائے گا پھر کسی کافر کا مومن کو قتل کرنا نادر ہو گا۔ اللہ تعالیٰ اس مومن کا دفاع اس طرح کرے گا کہ اسے اپنی رحمت میں لے لے گا۔ نافع نے یدافع اور لولا دفاع پڑھا ہے۔ ابو عمرو، ابن کثیر نے یدفع اور ولولا دفع پڑھا ہے۔ عاصم، حمزہ اور کسائی نے یدافع اور لولا دفع اللہ پڑھا ہے۔ یدافع بمعنی یدفع ہے جیسے عاقبت اللص ہے اور عافاہ اللہ ہے مصدر دفعاً ہے۔ زہری نے حکایت کیا ہے کہ دفاعاً، دفع کا مصدر ہے جیسے حسب کا مصدر حساباً ہے۔

اُذِنَ لِلَّذِیۡنَ یُقٰتَلُوۡنَ بِاَنَّهُمۡ ظُلِمُوۡا ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَصۡرِهِمۡ لَقَدِیۡرُ ۟ۙ﴿۳۹﴾

''اذن دیا گیا ہے (جہاد کا) ان (مظلوموں) کو جن سے جنگ کی جاتی ہے اس بنا پر کہ ان پر ظلم کیا گیا اور بیشک اللہ تعالیٰ ان کی نصرت پر پوری طرح قادر ہے''۔

اس میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اُذِنَ لِلَّذِیۡنَ یُقٰتَلُوۡنَ بعض علماء نے فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ یُدٰفِعُ عَنِ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا کا بیان ہے یعنی اللہ تعالیٰ کفار کے گروہوں کو مومنین سے اس طرح دور کرے گا کہ انہیں کفار سے جہاد کرنے کی اجازت دے گا اور ان کی مدد کرے گا۔ اس میں اضمار ہے یعنی اجازت دے دی گئی ہے جنگ کی انہیں جو جنگ کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ پس کلام کو حذف کیا گیا کیونکہ موجودہ کلام محذوف کلام پر دلالت کر رہی ہے۔ ضحاک نے کہا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام نے کفار سے جنگ کرنے کی اجازت طلب کی کیونکہ کفار نے مکہ میں انہیں اذیتیں دی تھیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ کُلَّ خَوَّانٍ کَفُوۡرٍ جب ہجرت کی تو یہ آیت نازل ہوئی: اُذِنَ لِلَّذِیۡنَ۔۔۔ الخ، یہ ناسخ ہے ہر اس حکم کے لیے جو قرآن میں اعراض اور ترک اور درگزر کرنے بارے میں آیا ہے یہ پہلی آیت ہے جو جہاد کے بارے میں نازل ہوئی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابن جبیر نے کہا: یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ طیبہ ہجرت کرنے کے وقت نازل ہوئی (2)۔ نسائی اور ترمذی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے فرمایا: جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے نکلے تو

1۔ جامع ترمذی، ابواب الفتن، جلد 2، صفحہ 42

2۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 124۔ جامع ترمذی، کتاب فضائل القرآن، باب ومن سورۃ الحج، 3095

حضرت ابوبکر نے کہا: انہوں نے اپنے نبی کو نکالا ہے یہ ضرور ہلاک ہوں گے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: اُذِنَ لِلَّذِیْنَ۔۔۔ الخ، حضرت ابوبکر نے کہا: مجھے معلوم تھا قتال ضرور ہوگا۔ فرمایا: یہ حدیث حسن ہے بہت سے راویوں نے سفیان سے انہوں نے اعمش سے انہوں نے مسلم البطین سے انہوں نے سعید بن جبیر سے مرسلاً روایت کی ہے اس میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نہیں ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ اس آیت میں دلیل ہے کہ اباحت شرع سے ہے جبکہ معتزلہ کا نظریہ اس کے خلاف ہے کیونکہ اُذِنَ کا معنی اُبیح ہے یہ لفظ ہر ممنوع چیز کی اباحت کے لیے وضع کیا گیا ہے۔ یہ مفہوم سورۂ بقرہ اور دوسرے مقام پر گزر چکا ہے۔ یہ اذن ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے یعنی اللہ نے اجازت دی۔ یقاتلون تا کے کسرہ کے ساتھ ہے، یعنی مشرک ان سے لڑتے ہیں اور وہ مومنین ہیں اسی لیے فرمایا: بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا انہیں اپنے شہروں سے نکال کر ان پر ظلم کیا گیا۔

الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّاۤ اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ؕ وَ لَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَ بِیَعٌ وَّ صَلَوٰتٌ وَّ مَسٰجِدُ یُذْكَرُ فِیْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِیْرًا ؕ وَ لَیَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ یَّنْصُرُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ ۝

''وہ (مظلوم) جن کو نکال دیا گیا تھا ان کے گھروں سے ناحق صرف اتنی بات پر کہ انہوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے اور اگر اللہ تعالیٰ بچاؤ نہ کرتا لوگوں کا انہیں ایک دوسرے سے ٹکرا کر تو (طاقتور کی غارتگری سے) منہدم ہو جاتیں خانقاہیں اور گرجے اور کلیسے اور مسجدیں جن میں اللہ تعالیٰ کے نام کا ذکر کثرت سے کیا جاتا ہے، اور اللہ تعالیٰ ضرور مدد فرمائے گا اس کی جو ان (کے دین) کی مدد کرے گا، یقیناً اللہ تعالیٰ قوت والا اور سب پر غالب ہے''۔

اس میں آٹھ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ یہ ان کے مظالم میں سے ایک ظلم ہے کہ انہیں اس بات پر اپنے گھروں سے نکالا گیا کہ انہوں نے کہا: ہمارا پروردگار اللہ وحدہ ہے۔ اِلَّاۤ اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ استثنا منقطع ہے یعنی لیکن ان کے ربنا اللہ کہنے کی وجہ سے؛ یہ سیبویہ کا قول ہے۔ فراء نے کہا: یہ بھی جائز ہے کہ یہ محل جر میں ہو اس سے پہلے با مقدر ہو؛ یہ ابواسحاق زجاج کا قول ہے۔ اس کے نزدیک اس کا معنی یہ ہے کہ انہیں بغیر حق کے ان کے گھروں سے نکالا گیا مگر یہ کہ انہوں نے کہا: ہمارا پروردگار اللہ ہے یعنی وہ توحید کی وجہ سے نکالے گئے بت پرستوں نے انہیں نکالا۔ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا، الذین یقاتلون سے بدل ہونے کی وجہ سے محل جر میں ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ ابن عربی نے کہا: ہمارے علماء نے کہا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو بیعت عقبہ سے پہلے جنگ کی اجازت نہیں دی گئی تھی اور نہ ان کے لیے خون حلال کیے گئے تھے انہیں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کرنے اور اذیت پر صبر کرنے، جاہل

لوگوں سے درگزر کرنے کا دس سال تک حکم دیا گیا تھا تا کہ کافروں پر اللہ تعالیٰ کی حجت قائم ہو جائے اور وہ وعدہ بھی وفا ہو جائے جو اس نے اپنے فضل سے احسان کرنے کا کیا ہے فرمایا: وَ مَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ۝ (الاسراء) لیکن لوگ سرکشی میں قائم رہے اور واضح برہان سے انہوں نے استدلال نہیں کیا قریش نے ان لوگوں پر ظلم کیا جنہوں نے آپ کی قوم سے آپ کی اتباع کی حتی کہ انہیں دین کے سلسلہ میں فتنہ میں مبتلا کیا اور انہیں اپنے شہروں سے نکال دیا۔ پس بعض لوگ حبشہ چلے گئے، بعض مدینہ چلے گئے، بعض اذیتوں پر صبر کرتے رہے۔ جب قریش نے اللہ تعالیٰ کے سامنے سرکشی کی اور اس کے حکم کو رد کیا اور اس کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلایا اور جو ایمان لائے اور اس کی وحدانیت کا اقرار کیا اور اس کی عبادت کی اور اس کے نبی کی تصدیق کی اور اپنے دین کی حفاظت کی انہیں انہوں نے تکالیف پہنچائیں تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جنگ کرنے، دفاع کرنے اور مظلوموں کا انتقام لینے کی اجازت دی اور یہ حکم نازل فرمایا: اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا۔۔۔ الْاُمُوْرِ ۝۔

مسئلہ نمبر 3۔ اس آیت میں دلیل ہے کہ مجبور کے فعل کی نسبت مجبور کرنے والے کی طرف ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اخراج کی نسبت کفار کی طرف کی ہے کیونکہ کلام ذنب (جرم) اور الزام جرم کے تقدیر کے معنی میں ہے یہ آیت اس آیت کی مثل ہے: اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا (التوبہ: 40) ان دونوں آیات میں کلام ایک ہے۔ یہ سورۂ برأت میں گزر چکی ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ لَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ اگر اللہ تعالیٰ انبیاء کرام اور مومنین کے لیے دشمنوں اور اہل شرک سے قتال کو مشروع نہ فرماتا تو دیندار جو عبادت کی جگہیں بناتے یہ مشرک انہیں تباہ و برباد کر دیتے لیکن اس نے قتال کو واجب کر کے دفاع کیا تا کہ اہل دین عبادت کے لیے فارغ ہوں۔ پس جہاد پہلی امتوں میں بھی تھا اس کے ساتھ شرائع کی اصلاح ہوئی اور متعبدات جمع ہوئیں گویا فرمایا: قتال کی اجازت دی گئی ہے پس مومنوں کو قتال کرنا چاہیے پھر قتال میں یہ امر قوی ہوا۔ ارشاد فرمایا: وَ لَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ۔۔۔ الخ، یعنی اگر قتال اور جہاد نہ ہوتا تو ہر امت میں حق پر غلبہ کیا جاتا جو نصاریٰ اور صابئین جہاد کو پسند نہیں کرتے وہ اپنے مذہب کے مخالف ہیں کیونکہ اگر جہاد نہ ہوتا تو دین جس کا دفاع کیا جاتا ہے وہ باقی نہ ہوتا اور یہ جگہیں بھی نہ رہتیں جو ان کی تحریف اور تبدیلی سے پہلے اور اسلام کے ذریعے ان کی ملل کے نسخ سے پہلے بتائی گئی ہیں یہ اسی معنی کے لیے ذکر کیا گیا ہے اگر یہ دفاع نہ ہوتا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں یہودیوں کے عبادت خانے گرائے جاتے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں عیسائیوں کے گرجے گرائے جاتے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مساجد گرائی جاتیں۔ لَّهُدِّمَتْ یہ ھدمت البناء سے مشتق ہے یعنی میں نے عمارت کو توڑا تو وہ ٹوٹ گئی۔ ابن عطیہ نے کہا: جو کچھ اس آیت کی تاویل میں کہا گیا ہے اس میں سے یہ درست ہے۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا: اگر اللہ تعالیٰ اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے کفار کو تابعین اور ان کے بعد والوں سے نہ روکتا۔ اس میں بھی اگرچہ ایک قوم کا دوسری قوم سے دفاع ہے مگر قتال کا معنی زیادہ مناسب ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ مجاہد نے کہا: اگر اللہ تعالیٰ عادل لوگوں کی شہادت کے ساتھ قوم کے ظلم کو نہ روکتا۔ ایک جماعت نے کہا: والیوں کے عدل کے ساتھ اللہ تعالیٰ

ظالموں کے ظلم کو نہ روکتا۔ حضرت ابوالدرداء نے کہا: اگر اللہ تعالیٰ مساجد میں رہنے والوں کی وجہ سے ان کا دفاع نہ کرتا تو مسجدوں میں نہ آتے اور جو جہاد کرتے ہیں ان کی وجہ سے دفاع نہ کرتا ان کا جو جہاد نہیں کرتے تو ان پر عذاب آجاتا۔ ایک جماعت نے کہا: اگر اللہ تعالیٰ فضلاء اور نیکوکاروں کی دُعا سے عذاب کو نہ ٹالتا۔ اس کے علاوہ بھی اس آیت کے معنی کی تفسیر کی گئی ہے۔ یہ آیت تقاضا کرتی ہے کہ لوگوں کا دفاع کیا گیا ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ ابن خویز منداد نے کہا: یہ آیت اپنے ضمن میں یہ مفہوم بھی رکھتی ہے کہ ذمیوں کی عبادت گاہوں، کلیسوں، گرجوں اور آتشکدوں کو گرانا منع ہے، لیکن انہیں یہ اجازت نہ ہوگی کہ وہ ان میں اضافہ کریں اور ان میں وسعت پیدا کریں اور ان کی عمارتوں کو بلند کریں اور مسلمانوں کے لیے ان کے گرجوں میں داخل ہونا اور ان میں نماز پڑھنا مناسب نہیں جب وہ کوئی تعمیر کریں تو اس کا توڑنا واجب ہے۔ اور بلاد حرب میں ان کے عبادت خانے اور کلیسے گرائے جائیں گے اور اسلام کے شہروں میں ذمیوں کے جو عبادت خانے ہوں گے انہیں نہیں گرایا جائے گا کیونکہ یہ ان کے گھروں اور اموال کے قائم مقام ہوں گے جس کی حفاظت کا معاہدہ کیا گیا ہے اور انہیں زیادتی کی قدرت نہیں دی جائے گی کیونکہ اس میں کفار کے اسباب کا ظہور ہے اور نئی تعمیر کے لیے مسجد کو گرانا جائز ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی کی تعمیر دوبارہ کی تھی۔

مسئلہ نمبر 6۔ لَّهُدِّمَتْ دال کی تخفیف اور تشدید کے ساتھ پڑھایا گیا ہے۔ صوامع جمع ہے صومعۃ کی اس کا وزن فوعلۃ ہے ایسی عمارت جو بلند ہو اور پروالا حصہ مضبوط ہو۔ کہا جاتا ہے: صمع الثریدۃ یعنی اس نے اس کا سر اٹھایا اور مضبوط اور تیز کیا۔ رجل اصمع القلب جس کی نظانت تیز ہو۔ الاصمع من الرجال جس کی بات مضبوط ہو۔ بعض نے کہا: وہ شخص جس کے کان چھوٹے ہوں۔ پہلے صومعہ کا لفظ نصاریٰ کے راہبوں اور صابئین کے عبادت گزاروں کے لیے استعمال ہوتا تھا پھر یہ مسلمانوں کے آذان دینے کی جگہ کے لیے استعمال ہونے لگا۔ البیع جمع ہے بیعۃ کی۔ نصاریٰ کا کنیسہ۔ طبری نے کہا: یہود کے کنائس ہیں پھر انہوں نے مجاہد سے ایسی چیز روایت کر کے داخل کی جو اس کا تقاضا نہیں کرتی۔ صلوات، زجاج اور حسن نے کہا: یہ یہود کے کنائس ہیں۔ عبرانی زبان میں انہیں صلوتا کہا جاتا ہے۔ ابوعبیدہ نے کہا: الصلوات سے مراد وہ گھر ہیں جو نصاریٰ صحرائی جگہوں میں بناتے تھے جن میں وہ اپنے سفروں میں عبادت کرتے تھے۔ انہیں صلوتا کہا جاتا تھا۔ پھر یہ عربی بنایا گیا اور صلوات کہا گیا۔ صلوات میں نو قرأتیں ہیں جن کو ابن عطیہ نے ذکر کیا ہے۔ صُلُوات، صِلْوات، صُلُولی بروزن فعولی، صُلُوب باء کے ساتھ جمع صلیب، صلوث ثاء کے ساتھ بروزن فعول۔ صلوات صاد اور لام کے ضمہ کے ساتھ واؤ کے بعد الف ہے۔ صلوثا صاد اور لام کے ضمہ کے ساتھ اور ثاء کے بعد الف مقصورہ۔ صِلْویثا صاد کے کسرہ اور لام کے سکون کے ساتھ اور واؤ مکسورہ جس کے بعد یاء ہے پھر ثا ہے پھر الف ہے اور نحاس نے ذکر کیا ہے اور عاصم جحدری سے مروی ہے کہ انہوں نے وصلوت پڑھا ہے(1)۔ ضحاک سے مروی ہے کہ انہوں نے وَصَلُوث (ثاء کے ساتھ) پڑھا ہے۔ اور مجھے معلوم نہیں صاد پر فتحہ پڑھا ہے یا ضمہ پڑھا ہے۔

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 125

میں کہتا ہوں: اس طرح کل یہاں بارہ قراءتیں ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: الصلوات سے مراد کنائس ہیں۔ ابو العالیہ نے کہا: الصائبون کی مساجد ہیں۔ ابن زید نے کہا: یہ مسلمانوں کی نمازیں ہیں، جب ان کی مساجد میں دشمن داخل ہوتا ہے اور وہ مساجد کو گرا دیتا ہے تو ان میں عبادت کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے؛ اسی وجہ سے صلوات کے لیے ھدم کا لفظ استعارۃً استعمال کیا گیا ہے، ان کے تعطل کی وجہ سے یا صلوات کی جگہ مراد ہے پس مضاف کو حذف کیا گیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور زجاج کے قول کے مطابق ھدم حقیقۃً ہوگا۔ حسن نے کہا: ھدم الصلوت سے مراد نمازوں کا ترک کرنا ہے۔ قطرب نے کہا: یہ چھوٹے کلیسے ہیں۔ اس کا واحد نہیں ہے۔ خصیف نے کہا: ان اسماء سے مقصود امم کی متعبدات کی تقسیم ہے۔ پس صوامع یہود کے راہبوں کے لیے ہیں اور البیع نصاریٰ کے لیے ہیں۔ الصلوات یہود کے لیے ہیں۔ مساجد مسلمانوں کے لیے ہیں۔ ابن عطیہ نے کہا: اظہر یہ ہے کہ ان سے متعبدات کے ذکر میں مبالغہ کا قصد کیا گیا ہے۔ یہ اسماء اپنے مسمات میں امتوں میں مشترک ہیں جن کے پاس کتابیں تھیں۔ اس آیت میں مجوس کا ذکر نہیں کیا اور نہ مشرکوں کا ذکر کیا کیونکہ یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے لیے کوئی ایسی چیز نہیں جس کی حمایت ثابت ہو اور اللہ کا ذکر صرف اہل شرائع کے پاس ہوتا ہے۔ نحاس نے کہا: یُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللّٰهِ حقیقت میں نظر کرنے سے کلام عرب سے جو بات ثابت ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ فیھا کی ضمیر کا مرجع مساجد ہیں کیونکہ ضمیر ان کے ساتھ متصل ہے اور اس کو صوامع اور اس کے مابعد کی طرف لوٹانا بھی جائز ہے معنی ہو ان کی شرائع کے وقت اور ان کے حق کو قائم کرنے کے وقت۔

مسئلہ نمبر 7۔ اگر یہ کہا جائے کہ ذمیوں کی مساجد کو مسلمانوں کی مساجد سے پہلے کیوں ذکر کیا گیا ہے تو کہا جائے گا کہ وہ بنا میں مقدم ہیں۔ بعض نے کہا: ان کی مساجد ہدم کے قریب ہیں اور مسلمانوں کی مساجد ذکر کے قریب ہیں جیسا کہ سابق کو مؤخر کیا گیا ہے اس قول میں فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ (فاطر: 32)

مسئلہ نمبر 8۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ؕ یعنی جو اللہ کے دین اور اللہ کے نبی کی مدد کرے گا۔ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ یعنی اللہ تعالیٰ قادر ہے۔ خطابی نے کہا: القوی بمعنی القادر ہے یہ قوی علی شی سے مشتق ہے جس کا معنی ہے وہ اس چیز پر قادر ہے۔ عزیز جلیل، شریف؛ یہ زجاج کا قول ہے۔ بعض نے کہا: اتنا محفوظ اور مضبوط جس کا قصد نہ کیا جا سکے۔ ہم نے اپنی کتاب ''الکتاب الاسنیٰ فی شرح الاسماء الحسنیٰ'' میں ان دونوں اسماء کو بیان کیا ہے۔

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴿41﴾

''وہ لوگ کہ اگر ہم انہیں اقتدار بخشیں زمین میں تو وہ صحیح صحیح ادا کرتے ہیں نماز کو اور دیتے ہیں زکوٰۃ اور حکم کرتے ہیں (لوگوں کو) نیکی کا اور روکتے ہیں (انہیں) برائی سے اور اللہ تعالیٰ کے لیے ہے سارے کاموں کا انجام''۔

زجاج نے کہا: اَلَّذِيْنَ محل نصب میں ہے اس کا تعلق من کے ساتھ ہے جو من ینصرہ میں ہے۔ دوسرے علماء نے کہا: محل جر میں ہے انہوں نے اس کا تعلق اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ سے ہے اور اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ سے مراد نبی

پاک ﷺ کے چار یار ہیں زمین میں ان کے علاوہ کوئی نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد مہاجرین، انصار اور تابعون باحسان ہیں۔ قتادہ نے کہا: حضرت محمد ﷺ کے اصحاب مراد ہیں۔ عکرمہ نے کہا: وہ پانچ وقت کی نمازیں ادا کرنے والے ہیں۔ حسن اور ابو العالیہ نے کہا: اس سے مراد یہ امت ہے جب اللہ تعالیٰ نے انہیں فتح عطا فرمائی تو انہوں نے نماز کو قائم کیا۔ ابن ابی نجیح نے کہا: اس سے مراد والی ہیں۔ ضحاک نے کہا: یہ شرط ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر لگائی جن و ملک عطا فرماتا ہے؛ یہ عمدہ قول ہے۔ حضرت سہل بن عبد اللہ نے کہا: امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سلطان پر اور علماء پر واجب ہے اور لوگوں پر واجب نہیں کہ وہ سلطان کو حکم دیں کیونکہ یہ اس کے لیے لازم ہے اس پر واجب ہے اور لوگ علماء کو حکم نہ دیں کیونکہ حجت ان پر ثابت ہو چکی ہے۔

وَ اِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّ عَادٌ وَّ ثَمُوْدُ ﴿٤٢﴾ وَ قَوْمُ اِبْرٰهِيْمَ وَ قَوْمُ لُوْطٍ ﴿٤٣﴾ وَّ اَصْحٰبُ مَدْيَنَ ۚ وَ كُذِّبَ مُوْسٰى فَاَمْلَيْتُ لِلْكٰفِرِيْنَ ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ ۚ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿٤٤﴾

''اور اگر یہ کفار آپ کو جھٹلاتے ہیں (تو کیا تعجب ہے) پس جھٹلایا تھا ان سے پہلے قوم نوح نے اور عاد و ثمود نے اور قوم ابراہیم نے اور قوم لوط نے اور مدین کے رہنے والوں نے (اپنے اپنے نبیوں کو) اور جھٹلائے گئے موسیٰ بھی تو (کچھ عرصہ) میں نے مہلت دی ان کفار کو (جب وہ باز نہ آئے) تو میں نے انہیں پکڑا (خود ہی بتاؤ) کتنا خوفناک تھا میرا عذاب''۔

یہ نبی کریم ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے یعنی آپ سے پہلے انبیاء بھی جھٹلائے گئے پس انہوں نے صبر کیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے جھٹلانے والوں کو ہلاک کر دیا آپ ان کی اقتدا کریں اور صبر کریں۔ وَ كُذِّبَ مُوْسٰى فرعون اور اس کی قوم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جھٹلایا رہے بنو اسرائیل تو انہوں نے آپ کو نہ جھٹلایا اسی وجہ سے اس کا ماقبل پر عطف نہیں کیا ورنہ ہوتا وقوم موسیٰ۔ فَاَمْلَيْتُ لِلْكٰفِرِيْنَ یعنی سزا کو ان سے مؤخر کیا گیا۔ ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ پھر میں نے انہیں سزا دی۔ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿٤٤﴾ استفہام بمعنی تغییر ہے یعنی دیکھو کیسے میں نے ان نعمتوں کو عذاب اور ہلاک کے ساتھ بدلا تھا جن نعمتوں میں وہ تھے، اسی طرح میں قریش کے مکذبین کے ساتھ کروں گا۔ جوہری نے کہا: النکیر والانکار کا مطلب ہے برائی کو تبدیل کرنا۔ منکر واحد ہے مناکیر کا۔

فَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا وَ هِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَ بِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّ قَصْرٍ مَّشِيْدٍ ﴿٤٥﴾

''پس کتنی بستیاں ہیں جنہیں ہم نے تہہ و بالا کر ڈالا کیونکہ وہ ظالم تھیں تو اب وہ گری پڑی ہیں اپنی چھتوں پر اور کتنے کنویں ہیں جو بیکار ہو چکے ہیں اور کتنے چونے سے بنے ہوئے مضبوط محل ہیں (جو ویران پڑے ہیں)''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا یعنی ان بستیوں والوں کو ہلاک کر دیا۔ فَكَاَيِّنْ کے بارے میں کلام سورۂ آل عمران میں گزر چکا ہے۔ وَهِيَ ظَالِمَةٌ کفر کر کے ظلم کرنے والے تھے۔ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا یہ سورۃ الکہف میں گزر چکا ہے۔ وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّقَصْرٍ مَّشِيْدٍ زجاج نے کہا: وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ، مِّنْ قَرْيَةٍ پر معطوف ہے یعنی من اهل قرية ومن اهل بئر۔ فراء کا خیال ہے کہ بئر، عروشها پر معطوف ہے۔ اصمعی نے کہا: میں نے نافع بن ابی نعیم سے پوچھا: کیا البئر اور الذئب کو ہمزہ دیا جائے گا؟ تو انہوں نے کہا: اگر عرب ہمزہ دیتے تھے تو تو بھی انہیں ہمزہ دے۔ نافع سے اکثر راویوں نے ہمزہ کے ساتھ روایت کیا ہے مگر ورش کی ان سے بغیر ہمزہ کے روایت ہے۔ اصل ہمزہ ہے۔ معطلة کا معنی متروکة ہے۔ ضحاک نے یہ کہا ہے۔ بعض نے کہا: جو ہلاکت کی وجہ سے اہل سے خالی ہو۔ بعض نے فرمایا: جس کا پانی نیچے چلا گیا ہو۔ بعض نے کہا: جو ڈول اور رسیوں سے خالی ہو۔ مفہوم متقارب ہیں۔ وَّقَصْرٍ مَّشِيْدٍ قتادہ، ضحاک اور مقاتل نے کہا: بلند طویل محل۔

عدی بن زید نے کہا:

شادہ مَرْمَرًا وجَلَّلہ کِلْ سًا فللطیر فی ذُراہ وُکور(1)

یعنی اس کو بلند کیا۔ سعید بن جبیر، عطا، عکرمہ اور مجاہد نے کہا: مشید کا معنی ہے جس پر چونے سے پلستر کیا گیا ہو۔ الشید سے مشتق ہے جس کا مطلب چونا ہے۔ راجز نے کہا:

لا تَحْسَبَنِّي وإن كنت أمرأ غَمِرًا كحية الماء بين الطين والشِّيد

اور امرء القیس نے کہا:

ولا أُطُمًا إلا مَشِيدًا بجَنْدَلِ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: مشید سے مراد مضبوط ہے۔ کلبی نے یہ کہا ہے یہ مَفعِل بمعنی مفعول ہے جیسے مبیع بمعنی مبیوع ہے۔ جوہری نے کہا: المشید جو چونے سے بنایا گیا ہو۔ الشید شین کے کسرہ کے ساتھ چونا، سیمنٹ وغیرہ میں سے جس کے ساتھ دیوار کی لپائی کی گئی ہو۔ شین کے فتحہ کے ساتھ ہو تو مصدر ہے۔ تو کہتا ہے: شَادَ يَشِيْدُ شيداً، چونا وغیرہ سے پختہ کرنا۔ المشید تشدید کے ساتھ۔ اس کا معنی ہے طویل۔ کسائی نے کہا: المشید واحد کے لیے ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَّقَصْرٍ مَّشِيْدٍ اور المشید جمع کے لیے ہے جو اس قول سے ہے: فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ (النساء: 78) کلام میں اضمار ہے۔ تقدیر یوں ہے: قصر مشید مثلها معطل۔ کہا جاتا ہے کہ یہ کنواں اور محل حضر موت میں معروف تھے۔ محل پہاڑ کی چوٹی پر تھا اس تک کسی حال میں پہنچا نہیں جا سکتا تھا اور اس کنویں میں جو کوئی چیز گرتی تھی ہوا اسے ٹھہرنے نہیں دیتی تھی بلکہ اسے نکال دیتی تھی۔ محلوں والے شہروں کے بادشاہ اور کنوؤں والے دیہاتوں کے بادشاہ ہم نے سب کو ہلاک کر دیا۔ ضحاک وغیرہ نے وہ سب کچھ ذکر کیا ہے جو ثعلبی نے ذکر کیا ہے۔ اور جو ابو بکر محمد بن حسن مقری وغیرہما نے ذکر کیا ہے کہ البئر، الرس یہ

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 127

یمن کے علاقہ حضرموت میں عدن کے مقام پر تھا یہ اس شہر میں تھا جسے حضوراء کہا جاتا تھا۔ اس پر چار ہزار ایماندار ایک صالح آدمی کے ساتھ اترے تھے اور انہوں نے عذاب سے نجات پائی تھی اور ان کے ساتھ صالح آدمی تھا پھر وہ صالح شخص فوت ہو گیا تو اس جگہ کا نام رکھا گیا کیونکہ صالح آدمی وہ حاضر ہوا اور فوت ہو گیا پس انہوں نے حضوراء بنایا اور اس کنویں پر بیٹھ گئے انہوں نے اپنے اوپر ایک امیر بنایا جن کو علس بن جلاس بن سوید کہا جاتا تھا جیسا کہ غزنوی نے ذکر کیا ہے۔ ثعلبی نے کہا: علس بن جلاس تھا وہ ان میں بڑی اچھی سیرت کا مالک تھا اور عادل تھا انہوں نے اس کا وزیر سخاریب بن سوادہ کو بنایا وہ کچھ زمانہ ٹھہرے رہے ان کی نسل بڑھتی رہی حتیٰ کہ وہ کثیر ہو گئے۔ اور وہ کنواں شہر والوں اور دیہات والوں کو سیراب کرتا تھا۔ جانور، بکریاں، گائیں سب اس سے پانی پیتے تھے اور کنویں کی بہت سی زمینیں تھیں جو اس کنویں سے منسوب تھیں اور بہت سے لوگ اس پر مقرر تھے اور وہاں مختلف حوض بنے ہوئے تھے۔ ایک سے لوگ پیتے تھے، دوسرے سے جانور پیتے تھے، تیسرے سے گائیں پیتی تھیں، چوتھے سے بکریاں پیتی تھیں۔ صبح و شام نگران پانی پلاتے رہتے تھے اور لوگ آتے جاتے تھے کیونکہ وہاں اور کوئی پانی نہیں تھا۔ جس کو انہوں نے بادشاہ بنایا تھا اس کی عمر لمبی ہوئی جب اس پر موت آئی تو اسے تیل لگایا گیا تا کہ اس کی صورت باقی رہے اور تبدیل نہ ہو۔ وہ اسی طرح کرتے تھے جب بھی ان کا کوئی شخص فوت ہوتا اور ان کے ہاں وہ معزز ہوتا۔ جب وہ فوت ہوا تو لوگوں پر بہت شاق گزرا انہوں نے دیکھا کہ ان کا معاملہ خراب ہو گیا ہے وہ زور زور سے رونے لگے۔ شیطان نے موقع غنیمت جانا تو بادشاہ کے جثہ میں کئی دن داخل رہا اور لوگوں سے کلام کرتا رہا اور کہا: میں مرا نہیں ہوں لیکن میں تم سے غیب ہوا ہوں تا کہ میں تمہارا عمل دیکھوں، تو لوگ بہت خوش ہوئے۔ اس نے خاص لوگوں کو حکم دیا کہ اس کے لیے ایک حجاب بناؤ جو اس کے اور لوگوں کے درمیان ہو اور وہ لوگوں سے اس حجاب کے پیچھے سے کلام کرے گا تا کہ موت اس کی صورت میں نہ پہچانی جائے۔ پس انہوں نے ایک پردے کے پیچھے بت نصب کر دیا جو نہ کھاتا تھا، نہ پیتا تھا اس نے انہیں بتایا کہ وہ کبھی فوت نہیں ہوگا اور وہ ان کا خدا ہے۔ یہ سب کچھ شیطان بولتا تھا انہیں سے اکثر لوگوں نے اس کی تصدیق کی اور بعض نے شک کیا۔ ان میں سے اسے جھٹلانے والے مومن کم تھے، تصدیق کرنے والے زیادہ تھے۔ جب وہ کلام کرتا تو ان کا ناصح زجر و توبیخ کرتا تھا پس وہ اس کی عبادت پر جمع ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف ایک نبی بھیجا اس پر خواب میں وحی اترتی تھی، بیداری میں نہیں آتی تھی۔ اس کا نام حضرت حنظلہ بن صفوان تھا۔ اس نے انہیں بتایا کہ صورت صنم کی ہے اس میں روح نہیں اور بادشاہ کے لیے اللہ کا شریک ہونا جائز نہیں اس نے انہیں وعظ و نصیحت کی اور انہیں اپنے رب کی سطوت اور عذاب سے ڈرایا، لیکن انہوں نے اسے تکلیف پہنچائی اور اس کے دشمن بن گئے۔ وہ انہیں وعظ و نصیحت کا اہتمام کرتے تھے اور ہمیشہ انہیں نصیحت کرتے تھے حتیٰ کہ ان بدبختوں نے اسے بازار میں قتل کر ڈالا اور اسے کنویں میں پھینک دیا۔ اس وقت ان پر عذاب آیا۔ انہوں نے رات کو سیر ہو کر کھانا کھایا اور خوب پانی پیا۔ صبح ہوئی تو کنویں کا پانی نیچے جا چکا تھا اور اس کی رسی بیکار ہو چکی تھی وہ سب چیخے اور عورتیں اور بچے چلائے، جانور پیاس کی وجہ سے آوازیں نکالنے لگے حتیٰ کہ موت اور ہلاکت عام ہو گئی اور ان کی زمینوں میں درندے ان کے خلیفے بن گئے ان کی منازل میں لومڑ اور بجو تھے ان کے باغات اور اموال بیکار درخت

بن گئے اور کانٹے دار درخت بن گئے وہاں جنوں کی آواز اور شیروں کی گرج سنائی دیتی تھی۔ نعوذ باللہ من سطواتہ اور ایسے اصرار سے ہم پناہ مانگتے ہیں جو عذاب کا موجب ہو۔ سہیلی نے کہا: پختہ محل یہ وہ محل تھا جسے شداد بن عاد بن ارم نے بنایا تھا۔ زمین پر اس کی مثل پہلے نہیں بنایا تھا جیسا کہ ذکر کیا جاتا ہے اور خیال کیا جاتا ہے۔ اس کی حالت بھی اس کے بعد وحشت میں، آبادی کے بعد چٹیل میدان ہونے میں مذکورہ کنویں کی طرح تھی کوئی شخص اس کے قریب نہیں آسکتا تھا کیونکہ اس میں نعمتوں اور خوشحال زندگی، بادشاہ کی رونق اور لوگوں کے انتظام کے بعد جنوں کی آوازیں اور ناپسندیدہ آوازیں سنی گئیں۔ پس وہ ہلاک ہو گئے اور مٹ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا اس آیت میں ذکر فرمایا ہے۔ بطور موعظہ اور عبرت اور نصیحت اور اس نے معصیت کے نقصان اور مخالفت کے بُرے انجام سے ڈرایا ہے۔ ہم اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں اور برے انجام سے پناہ مانگتے ہیں۔ بعض نے کہا: جس نے انہیں ہلاک کیا تھا وہ بخت نصر تھا جیسا کہ سورۂ انبیاء میں: كَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ (الانبیاء: 11) کے تحت گزرا ہے۔ کنواں بیکار اور محل خراب ہو گیا۔

أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَتَكُونَ لَهُمْ قُلُوبٌ يَعْقِلُونَ بِهَا أَوْ آذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا ۖ فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَٰكِن تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ ﴿٤٦﴾

"کیا انہوں نے سیر و سیاحت نہیں کی زمین میں تا کہ (ان کھنڈرات کو دیکھ کر) ان کے دل ایسے ہو جاتے جن سے وہ (حق کو) سمجھ سکتے اور کان ایسے ہو جاتے جن سے نصیحت سن سکتے حقیقت تو یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہوتے ہیں"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ یعنی کفار مکہ ان اجڑی بستیوں کو نہیں دیکھتے ہیں تا کہ نصیحت حاصل کریں اور ڈریں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے کہ کہیں ان پر بھی وہ نازل نہ ہو جائے جو ان سے پہلے لوگوں پر نازل ہوا تھا۔ فَتَكُونَ لَهُمْ قُلُوبٌ يَعْقِلُونَ بِهَا سمجھنے کی نسبت قلب کی طرف کی کیونکہ سمجھ کا محل وہی ہے جس طرح سننے کا محل کان ہے۔ بعض علماء نے کہا: سمجھنے کا محل دماغ ہے اور امام ابو حنیفہ سے مروی ہے اور جو ان سے مروی ہے صحیح ہے فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ فراء نے کہا: ہاء عماد ہے یہ بھی جائز ہے کہ فانہ کہا جائے؛ یہ حضرت عبداللہ بن مسعود کی قرأت ہے۔ معنی ایک ہی ہے مذکر خبر کی بنا پر ہے اور تانیث ابصار یا قصہ کی بنا پر ہے یعنی آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں یا فان القصۃ، لا تعمی الابصار آنکھوں کی بصارت تو ان کے لیے ثابت ہے۔ وَلَٰكِن تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ ﴿٤٦﴾ بلکہ دل حق کے ادراک اور عبرت حاصل کرنے سے اندھے ہیں۔ قتادہ نے کہا: دیکھنے والی نظر تو کفایت کرنے والی اور منفعت ہے اور نفع بخش نظر دل میں ہے۔ مجاہد نے کہا: ہر آنکھ کے لیے چار آنکھیں ہیں یعنی ہر انسان کے لیے چار آنکھیں ہیں دو آنکھیں دنیا میں اس کے سر میں ہیں اور دو آنکھیں آخرت میں اس کے دل میں ہوں گی جب سر کی آنکھیں اندھی ہوتی ہیں اور دل کی آنکھیں بینا ہوتی ہیں تو اس کا ظاہری آنکھوں سے اندھا ہونا کچھ نقصان نہیں دیتا اور اگر سر کی آنکھیں دیکھیں اور دل کی آنکھیں اندھی ہوں (1) تو اس کا دیکھنا نفع

1۔ النکت والعیون، ماوردی، جلد 4، صفحہ 32

نہیں دیتا۔ قتادہ اور ابن جبیر نے کہا: یہ آیت حضرت عبد اللہ بن ام مکتوم نابینا صحابی کے متعلق نازل ہوئی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مقاتل نے کہا: جب وَمَنْ كَانَ فِي هٰذِهٖٓ أَعْمٰى (الاسراء: 72) نازل ہوئی تو ابن ام مکتوم نے کہا: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم میں دنیا میں نابینا ہوں کیا میں آخرت میں بھی نابینا ہوں گا تو یہ آیت فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ۔۔۔ الخ، نازل ہوئی یعنی جو اس دنیا میں اپنے دل سے اسلام سے نابینا رہا وہ آخرت میں دوزخ میں ہوگا۔

وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ ۭ وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ۝

"یہ لوگ جلدی مانگ رہے ہیں آپ سے عذاب (یہ تسلی رکھیں) اللہ تعالیٰ خلاف ورزی نہیں کرے گا اپنے وعدہ کی اور بیشک ایک دن تیرے رب کے ہاں ایک ہزار سال کی طرح ہوتا ہے جس حساب سے تم گنتی کرتے ہو"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ یہ نضر بن حارث کے بارے میں نازل ہوئی اور اس نے کہا تھا: فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ (الاعراف)

بعض علماء نے کہا: یہ ابوجہل بن ہشام کے بارے میں نازل ہوئی۔ اس نے کہا: اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ (الانفال: 32) وَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ یعنی عذاب کے نازل کرنے کا وعدہ جو کیا ہے اس میں خلاف ورزی نہیں کرے گا۔ زجاج نے کہا: انہوں نے عذاب کو جلدی طلب کیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں بتایا کہ کوئی چیز اس سے فوت نہ ہوگی۔ دنیا میں بدر کے دن ان پر عذاب نازل ہو بھی چکا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ۝ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد نے کہا: یعنی ان ایام میں سے جن میں اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا فرمایا۔ عکرمہ نے کہا: یعنی آخرت کے دنوں میں سے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بتایا کہ جب انہوں نے چھوٹے ایام میں عذاب کا مطالبہ کیا ہے تو وہ انہیں بڑے ایام میں عذاب دے گا۔ فراء نے کہا: یہ انہیں آخرت میں طویل عذاب کی وعید سنائی جاری رہی ہے یعنی آخرت میں ان کے عذاب کے دنوں میں سے ہر دن ہزار سال کا ہوگا۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا معنی ہے آخرت میں شدت اور خوف میں ہر دن دنیا کے سال میں سے ہزار سال کی طرح ہوگا۔ اس میں خوف اور شدت ہوگی۔ اسی طرح نعمتوں کے دن کو قیاس کر لو۔ ابن کثیر، حمزہ اور کسائی نے مِّمَّا تَعُدُّوْنَ پڑھا ہے، یعنی یا کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابوعبید نے وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ کے قول کی وجہ سے یعدون کو پسند کیا ہے۔ باقی قراء نے تا کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابوحاتم نے اس کو اختیار کیا ہے۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَمْلَيْتُ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ اَخَذْتُهَا ۚ وَاِلَيَّ الْمَصِيْرُ ۝

"اور کتنی بستیاں تھیں جنہیں میں نے (کافی عرصہ) ڈھیل دی حالانکہ وہ ظالم تھیں پھر (بھی جب وہ باز نہ آئے) تو میں نے انہیں پکڑ لیا اور میری طرف ہی (سب کو) لوٹنا ہے"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ كَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَمْلَيْتُ لَهَا باوجود سرکشی کے انہیں میں نے مہلت دی۔ ثُمَّ اَخَذْتُهَا پھر میں نے انہیں عذاب کے ساتھ پکڑ لیا۔

قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَاۤ اَنَا لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۴۹﴾ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۵۰﴾ وَ الَّذِيْنَ سَعَوْا فِيْۤ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۵۱﴾

"(اے حبیب!) آپ فرمائیے: اے لوگو! پس میں تو تمہیں (عذاب الٰہی سے) کھلا ڈرانیوالا ہوں۔ سو جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے تو ان کے لیے مغفرت بھی ہے اور باعزت روزی بھی۔ اور جو لوگ کوشش کرتے رہے ہماری آیتوں (کی تردید) میں اس خیال سے کہ وہ ہمیں ہرا دیں گے یہی لوگ دوزخی ہیں"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ، النَّاسُ سے مراد اہل مکہ ہیں۔ اِنَّمَاۤ اَنَا لَكُمْ نَذِيْرٌ، نَذِيْرٌ بمعنی منذر اور مخوف (ڈرانے والا) ہے۔ انذار کا معنی سورۂ بقرہ کے آغاز میں گزر چکا ہے۔ مُّبِيْنٌ ﴿۴۹﴾ یعنی دینی معاملات میں سے جس کی تمہیں ضرورت ہوتی ہے میں تمہارے لیے اسے بیان کرنے والا ہوں۔ رِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۵۰﴾ سے مراد جنت ہے۔ وَالَّذِيْنَ سَعَوْا فِيْۤ اٰيٰتِنَا وہ لوگ جو ہماری آیات کو باطل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ معاجزین غلبہ پانے کے لیے جنگ کرنے کے لیے۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ فراء نے کہا: اس کا معنی ہے دشمنی کرتے ہوئے۔ حضرت عبداللہ بن زبیر نے کہا: اسلام سے باز رکھنے والے تھے۔ اخفش نے کہا: معاندین مسابقین۔ زجاج نے کہا: یہ گمان کرتے ہوئے کہ وہ ہمیں عاجز کر دیں گے کیونکہ ان کا گمان تھا کہ دوبارہ اٹھنا نہیں ہوگا اور انہوں نے گمان کیا کہ اللہ تعالیٰ ان پر قادر نہ ہوگا؛ یہ قتادہ کا قول ہے اسی طرح ابن کثیر اور ابو عمرو کی قرات معجزین کا معنی ہے انہوں نے الف کے بغیر جیم کی شد کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ معنی بھی جائز ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آیات پر ایمان لانے میں مومنین کو عاجز کرتے تھے؛ یہ سدی کا قول ہے۔ بعض نے کہا: جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرتا تھا اسے وہ عجز کی طرف منسوب کرتے تھے جیسے ان کا قول ہے جهلته وفسقته میں نے اسے جہالت اور فسق کی طرف منسوب کیا۔

وَ مَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّ لَا نَبِيٍّ اِلَّاۤ اِذَا تَمَنّٰۤى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْۤ اُمْنِيَّتِهٖ ۚ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِى الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۵۲﴾

"اور نہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول نہ کوئی نبی مگر اس کے ساتھ یہ ہوا کہ جب اس نے کچھ پڑھا تو ڈال دیئے شیطان نے اس کے پڑھنے میں (شکوک) پس مٹا دیتا ہے اللہ تعالیٰ جو وہ دخل اندازی کرتا ہے پھر پختہ کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ اپنی آیتوں کو اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا بہت دانا ہے"۔

اس میں تین مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تَمَنّٰٓی اس کا معنی ہے پڑھا، تلاوت کیا۔ اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ اس کی قرأت اور تلاوت میں شیطان ڈالتا ہے۔ یہ مفہوم سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ ابن عطیہ نے کہا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ وہ اس طرح پڑھتے تھے: وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ ولا محدث؛ یہ مسلمہ بن قاسم بن عبداللہ نے ذکر کیا ہے اور اس کو سفیان نے عمرو بن دینار سے انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ مسلمہ نے کہا: ہم نے محدثین کو پایا کہ نبوت کو وہ مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہوتے ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی قرأت پر کیونکہ وہ بڑے بڑے امور کے متعلق خطرات کی باتیں کرتے تھے اور باطنی حکمت کے ساتھ بولتے تھے پس جو انہوں نے بات کی صحیح کی اور جو انہوں نے کہا: اس میں غلطی سے محفوظ رہے جیسے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ساریہ کے واقعہ کو اور دوسرے دلائل عالیہ کو بیان کیا۔

میں کہتا ہوں: اس واقعہ کو ابوبکر انباری نے اپنی کتاب ''الرد'' میں ذکر کیا ہے۔ فرمایا: مجھے میرے باپ نے بتایا انہوں نے کہا مجھے علی بن حرب نے بتایا انہوں نے کہا ہمیں سفیان بن عیینہ نے بتایا انہوں نے عمرو سے انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے اس طرح پڑھا۔ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ ولا محدث۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا المحدث وہ ہوتا ہے جسے خواب میں وحی کی جاتی ہے اور انبیاء کے خواب وحی ہوتے ہیں۔

مسئلہ نمبر 2۔ علماء نے فرمایا: یہ آیت دو اعتبار سے مشکل ہے۔

ا۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ انبیاء کرام کچھ تو مرسل ہوتے ہیں اور کچھ ان میں غیر مرسل ہوتے ہیں۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ کسی کو نبی کہنا جائز نہیں حتی کہ وہ مرسل ہو۔ اس کی صحت پر دلیل یہ ارشاد ہے: وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ۔ پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے رسالت کو ثابت کیا اور نبی کا معنی ہے انبأ عن اللہ عزوجل اس نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر دی اور انبأ عن اللہ عزوجل کا معنی ہے الا رسالہ فراء نے کہا: رسول وہ ہوتا ہے جو مخلوق کی طرف بھیجا جاتا ہے۔ اس کے پاس جبریل کو بھیجا جاتا ہے جسے وہ سامنے دیکھتا ہے۔ اور نبی وہ ہوتا ہے جس کی نبوت الہامی ہوتی ہے۔ پس ہر رسول نبی ہوتا ہے لیکن ہر نبی رسول نہیں ہوتا۔ اسی طرح قاضی عیاض نے الشفاء میں ذکر کیا ہے۔ صحیح اور جس پر علماء کا جم غفیر ہے وہ یہ ہے کہ ہر رسول نبی ہوتا ہے اور ہر نبی رسول نہیں ہوتا انہوں نے حضرت ابوذر کی حدیث سے حجت پکڑی ہے۔ اور رسولوں کی تعداد تین سو تیرہ ہے۔ پہلے ان میں سے حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور آخری حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور دوسری جہت جس میں اشکال ہے وہ یہ ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ اس آیت کے نزول میں احادیث مروی ہیں جن میں سے کوئی بھی صحیح نہیں ہے ایسی چیز جس کے ساتھ کفار نے عوام کو پریشان کیا ان کا یہ قول ہے کہ انبیاء کا حق یہ ہے کہ وہ کسی چیز سے عاجز نہ ہوں تو پھر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم پر عذاب کیوں نہیں لاتے، حالانکہ ہم نے ان کی دشمنی میں مبالغہ کیا ہے۔ وہ یہ بھی کہتے تھے کہ مناسب ہے کہ ان پر سہو اور غلطی جاری نہ ہو۔ پس رب تعالیٰ نے بیان کیا کہ وہ بشر ہیں اور عذاب لانے والا اللہ تعالیٰ ہے جیسا وہ چاہتا ہے اور بشر پر سہو، نسیان اور غلطی کا امکان جائز ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنی آیات کو پختہ کرتا ہے اور شیطان کی مکاریوں کو مٹاتا ہے۔ لیث نے یونس

سے انہوں نے زہری سے انہوں نے حضرت ابوبکر بن عبدالرحمن بن حارث بن ہشام سے روایت کیا ہے فرمایا: نبی پاک ﷺ نے یہ آیات پڑھیں: وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ۝ (النجم) جب آپ اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَ الْعُزّٰى ۝ وَ مَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى ۝ (النجم) پر پہنچے تو بھول گئے اور آپ نے پڑھا: ان شفاعتهم ترتجى آپ کو مشرکین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں مرض تھا ملے، آپ کو سلام کیا اور خوش ہوئے اور کہا: یہ شیطان کی طرف سے ہے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ، نحاس نے کہا: یہ حدیث منقطع ہے اس میں ایک بڑا امر ہے۔ اسی طرح قتادہ کی حدیث ہے اس میں یہ زائد ہے وانهن لهن الغرانيق العلا اس سے خوفناک وہ ہے جو واقدی نے کثیر بن زید سے انہوں نے مطلب بن عبداللہ سے روایت کیا ہے انہوں نے کہا: تمام مشرکوں نے سجدہ کیا سوائے ولید بن مغیرہ کے اس نے زمین سے مٹی اٹھائی اور اپنی پیشانی تک اسے بلند کیا اور اس پر سجدہ کیا وہ ایک بوڑھا شخص تھا اور اسے ابو احیحہ سعید بن عاص کہا جاتا تھا حتی کہ جبریل امین نازل ہوئے اور نبی کریم ﷺ نے اس پر پڑھا تو اس نے کہا: میں تو یہ نہیں لایا اور اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْـًٔا قَلِيْلًا ۝ (الاسراء) نحاس نے کہا: یہ حدیث منکر منقطع ہے خصوصاً حدیث واقدی اور بخاری میں ہے کہ وہ جس نے مٹی کی مٹھی بھری تھی اور پیشانی کی طرف بلند کی تھی وہ امیہ بن خلف تھا۔ حدیث پر نحاس کی مکمل کلام آئے باب کے آخر میں آئے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ ابن عطیہ نے کہا: یہ وہ حدیث ہے جس میں ھی الغرانیق ہے۔ کتب تفسیر میں واقع ہے اور امام بخاری اور امام مسلم نے اپنی کتب میں داخل نہیں کیا اور نہ کسی مشہور علمی مصنف نے اس کو ذکر کیا۔ اہل حدیث کا مذہب یہ تقاضا کرتا ہے کہ شیطان نے کچھ ڈالا۔ وہ اس سب کو اور اس کے علاوہ سب کو متعین نہیں کرتے۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ شیطان کا القا الفاظ مسموعہ کے ساتھ تھا جن کی وجہ سے فتنہ ہوا۔ پھر لوگوں کا اس القا کی صورت میں اختلاف ہے جو کچھ تفاسیر میں ہے اور جو مشہور قول ہے وہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ان الفاظ کے ساتھ اپنی زبان پر کلام کی۔ اور مجھے میرے باپ نے بتایا کہ وہ مشرق میں علماء و متکلمین کے شیوخ سے ملا۔ جنہوں نے کہا کہ نبی کریم ﷺ پر یہ جائز نہیں وہ تبلیغ میں معصوم تھے۔ معاملہ یہ ہے کہ شیطان نے یہ لفظ بولے اور کفار کو اس وقت سنائے جب نبی کریم ﷺ اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ۝ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى ۝ (النجم) اور نبی کریم ﷺ کی آواز سے قریب کیا حتی کہ مشرکین پر معاملہ ملتبس ہو گیا انہوں نے کہا: محمد ﷺ نے یہ پڑھا ہے۔ اسی تاویل کی طرح امام المعالی سے بھی مروی ہے۔ بعض نے کہا: جس نے ڈالا وہ انسانوں کا شیطان تھا جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَالْغَوْا فِيْهِ (فصلت: 26) قتادہ نے کہا: یہ وہ ہے جو اونگھتے ہوئے پڑھا تھا۔ قاضی عیاض نے کتاب الشفاء میں نبی کریم ﷺ کی صداقت پر دلیل ذکر کرنے کے بعد یہ کہا ہے کہ امت کا اجماع ہے کہ آپ ﷺ طریقہ تبلیغ میں معصوم تھے یعنی جس شرعی مسئلہ کی خبر دیتے تھے اس میں قصداً، عمداً، سہواً، غلطاً کوئی کمی بیشی واقع نہیں ہوتی تھی بخلاف اس کے جس پر آپ تھے (یعنی بتقاضاء شریعت عوارض بشریہ لاحق ہوتے تھے) اللہ تعالیٰ آپ کو عزت دے۔ ہمارے لیے اس کلام میں اس حدیث کے مشکل پر دو ماخذ ہیں۔ ایک اس کی اصل کی توہین میں اور دوسرا اس کے تسلیم پر۔ ماخذ اول یہ ہے کہ تیرے لیے کافی ہے کہ یہ حدیث ایسی ہے جسے اہل الصحۃ میں

سے کسی نے تخریج نہیں کیا ہے اور نہ ہی کسی ثقہ نے کسی سند صحیح سلیم متصل اس کو روایت کیا ہے۔

اس روایت اور اس جیسی دوسری روایت کو مفسرین، مؤرخین اور ہر غریب روایت سے اشتیاق رکھنے والے علماء اور ہر صحیح وسقیم روایت کو لینے والے علماء نے شوق سے روایت کیا ہے (جبکہ محققین نے اس کا رد کیا ہے)۔

ابوبکر بزار نے کہا: یہ حدیث ایسی ہے جسے ہم نہیں جانتے کہ یہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی سند سے مروی ہو جس کا ذکر جائز ہو مگر وہ جس کو شعبہ نے ابوبشر سے انہوں نے سعید بن جبیر سے انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ میرے خیال کے مطابق حدیث میں شک ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تھے۔ آگے پورا واقعہ ذکر کیا اور شعبہ سے کسی نے مسند روایت نہیں کیا سوائے امیہ بن خالد کے۔ باقی تمام نے سعید بن جبیر سے مرسل روایت کی ہے اور یہ عن کلبی عن ابی صالح عن ابن عباس کی سند سے معروف ہے اور ابوبکر نے بیان کیا ہے کہ کسی ایسے طریق سے معروف نہیں جس کا ذکر اس کے سوا جائز ہو اور اس میں ضعف ہے اس میں شک کے وقوع کے ساتھ اس پر تنبیہ کی گئی ہے۔ جو ہم نے ذکر کیا ہے یہ وہ چیز ہے جس پر کوئی وثوق نہیں اور جس کے ساتھ کوئی حقیقت نہیں۔ رہی کلبی کی حدیث اس سے روایت کرنا جائز نہیں کیونکہ وہ انتہائی ضعیف اور انتہائی کاذب ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ والنجم پڑھی (1) اس وقت مکہ میں تھے آپ نے اس میں سجدہ تلاوت کیا اور مسلمانوں نے بھی آپ کے ساتھ سجدہ کیا۔ مشرکوں، جنوں اور انسانوں نے سجدہ کیا۔ یہ نقل کے طریق سے اس کی توہین ہے۔

دوسرا ماخذ حدیث کے تسلیم کرنے پر ہے۔ اگر وہ صحیح ہو ہم اس کی صحت سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں۔ لیکن بہرحال ائمہ مسلمین نے کئی جوابات دیئے ہیں۔ ان میں سے کچھ کمزور اور کچھ طاقتور ہیں۔ وہ چیز جو اس کی تاویل میں راجح ہوتی ہے اور غالب ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح تلاوت کر رہے تھے جس طرح آپ کو حکم تھا۔ آپ اپنی تلاوت میں آیات کا فاصلہ رکھتے تھے جیسا کہ ثقہ راویوں نے آپ سے روایت کیا ہے۔ پس ممکن ہے ان سکتوں میں شیطان نے موقع پایا ہو اور ان کلمات میں سے گھڑ کر اس میں داخل کر دیا ہو اور اس نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز میں اس طرح بیان کیا ہو کہ اس کے قریب والے کفار نے اس کو سن لیا ہو اور انہوں نے اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول گمان کیا ہو اور پھر انہوں نے اس کو عام کر دیا ہو۔ اس سے قبل مسلمانوں کے نزدیک یہ اس سورت کو یاد کرنے کی وجہ سے کوئی حرج نہ تھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے نازل کیا تھا اور انہیں یقین تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بتوں کی مذمت کرتے ہیں اور انہیں معیوب سمجھتے ہیں جیسا کہ آپ سے معروف تھا پس جونہی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پریشان ہوئے تھے وہ اس شہرت، شبہ اور اس فتنہ کے سبب سے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ۔

میں کہتا ہوں: یہ تاویل سب سے بہتر ہے۔ سلیمان بن حرب نے کہا: یہاں آیت میں فی بمعنی عند ہے یعنی شیطان نے کفار کے دلوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت کے دوران یہ ڈالا جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَبِثْتَ فِيْنَا (الشعراء: 18) اس میں فی بمعنی عند ہے۔ یہ وہ مفہوم ہے جو ابن عطیہ نے اپنے باپ سے اور انہوں نے علماء مشرق سے روایت کیا ہے۔ اسی کی

1۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، جلد 2، صفحہ 721

طرف قاضی ابوبکر بن عربی نے اشارہ کیا ہے اور اس سے پہلے کہا: یہ آیت ہماری غرض میں نص ہے اور ہمارے مذہب کی صحت پر دلیل ہے اور نبی کریم ﷺ کی طرف جو منسوب ہے اس کی برأت ہے کہ آپ ﷺ نے ایسا کیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِیٍّ اِلَّاۤ اِذَا تَمَنّٰۤى اَلْقَى الشَّیْطٰنُ فِیْۤ اُمْنِیَّتِهٖ۔ اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ اس کے رسولوں میں، انبیاء کرام کی سیرت میں اس کی سنت یہ ہے کہ جب وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کلام بیان کرتے ہیں تو شیطان اپنی طرف سے ڈالتا ہے جیسا کہ وہ دوسرے گناہ کرتا ہے۔ تو کہتا ہے: ألقیت فی الدار کذا والقیت فی الکیس کذا میں نے گھر میں اسے پھینکا اور میں نے پرس میں اسے پھینکا یہ نص ہے کہ جو کچھ حضور ﷺ نے کہا شیطان نے اس میں زائد کیا نہ کہ نبی پاک ﷺ نے اس کے ساتھ کلام کی تھی۔ قاضی عیاض کی کلام کا معنی ذکر کیا اور یہاں تک کہا کہ اس کی ہدایت نہیں دی گئی مگر طبری کو کیونکہ ان کو جلالت قدر اور صفاء فکر اور وسعت علم، ژرف نگاہی عطا کی گئی گویا انہوں نے اس غرض کی طرف اشارہ کیا اور صحیح نشانہ پر تیر لگایا اور ان تمام روایات کو لکھنے کے بعد فرمایا یہ سب باطل ہیں اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ اگر تیرا رب چاہتا تو کوئی انہیں روایت نہ کرتا نہ کوئی ایک سطر روایت کرتا لیکن وہ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ ﴿۱۶﴾ (البروج) ہے۔ رہی دوسری تاویلات جو علماء نے بیان کی ہیں کہ شیطان نے آپ کو مجبور کیا حتیٰ کہ آپ نے ایسا کیا یہ محال ہے کیونکہ شیطان کو انسان کا اختیار سلب کرنے کی قدرت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق خبر دیتے ہوئے کہا: وَمَا كَانَ لِیَ عَلَیْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّاۤ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِیْ (ابراہیم: 22) اگر شیطان کو یہ قدرت ہوتی تو بنی آدم میں سے کوئی بھی نہ بچتا جسے طاعت کی قوت ہوتی اور جنہوں نے یہ گمان کیا کہ شیطان کے لیے یہ قوت ہے وہ ثنویہ اور مجوسیہ کا قول ہے کہ خیر اللہ کی طرف سے ہے اور شر شیطان کی طرف سے ہے۔ اور جنہوں نے کہا: یہ آپ کی زبان پر سہواً جاری ہوئے، اس نے کہا: کوئی بعید نہیں کہ آپ نے مشرکین سے دو کلمے سنے ہوں اور دونوں آپ کے حافظہ میں ہوں اور قرأت کے وقت سہواً وہ بھی پڑھے گئے ہوں۔ اس بنا پر ان پر سہو جاری ہوگا اور اس پر قائم نہیں رہتے ہوں گے۔ پس اللہ تعالیٰ نے آپ کے عذر کے لیے اور آپ کو تسلی دینے کے لیے یہ آیت نازل فرمائی تا کہ یہ نہ کہا جائے کہ انہوں نے اپنی بعض قرأت سے رجوع کر لیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے نفی کی گئی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: شیطان کو ابیض کہا جاتا ہے وہ نبی پاک ﷺ کے پاس جبریل کی صورت میں آیا تھا اور نبی کریم ﷺ کی قرأت میں اس نے یہ الفاظ ڈال دیئے: تلك الغرانيق العلا وان شفاعتهن لترتجى یہ تاویل اگرچہ پہلی تاویل کے مشابہ ہے۔ پس پہلی تاویل پر اعتماد ہوگا کسی دوسری تاویل کی طرف عدول نہیں کیا جائے گا کیونکہ محققین علماء نے اس کو اختیار کیا ہے۔ اور حدیث کے ضعف کی وجہ سے کسی تاویل کی ضرورت نہیں جو چیز اس کے ضعف اور کمزوری پر دلالت کرتی ہے وہ کتاب اللہ میں سے یہ ارشاد ہے: وَاِنْ كَادُوْا لَیَفْتِنُوْنَكَ (الاسراء: 73) یہ دو آیتیں اس خبر کا رد کرتی ہیں جو انہوں نے روایت کی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قریب تھا کہ وہ آپ کو فتنہ میں ڈالتے حتیٰ کہ آپ کوئی بات اپنی طرف سے کہہ دیتے۔ اگر اللہ تعالیٰ آپ کو ثابت قدم نہ رکھتا تو آپ ان کی طرف مائل ہو جاتے۔ اس کا مضمون اور مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کوئی بات اپنی طرف سے کہنے سے بھی محفوظ رکھا اور آپ کو ثابت قدم رکھا حتیٰ کہ آپ تھوڑے سے بھی ان کی

طرف مائل نہ ہوئے۔ پھر زیادہ کیسے مائل ہو سکتے ہیں جبکہ وہ تو اپنی کمزور باتوں میں یہ روایت کرتے تھے کہ وہ میلان میں زیادہ ہو گئے ہیں اور ان کے بتوں کی مدح میں افترا کی طرف مائل ہوئے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ''میں نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا اور میں نے وہ کہا جو اس نے نہیں کہا''۔ یہ آیت کے مفہوم کی ضد ہے۔ یہ حدیث کوضعیف کر دیتا ہے اگر وہ صحیح بھی ہوتی پھر جب وہ صحیح بھی نہیں ہے تو کیسی حالت ہو گی یہ اس قول کی مثل ہے: وَ لَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَ رَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ ؕ وَ مَا يُضِلُّوْنَ اِلَّاۤ اَنْفُسَهُمْ وَ مَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَیْءٍ (النساء:113)

قشیری نے کہا: قریش اور ثقیف نے آپ سے مطالبہ کیا جب آپ ان کے بتوں سے گزر رہے تھے کہ آپ ایک دفعہ ان کی طرف اپنا چہرہ پھیر کر دیکھ لیں اور انہوں نے کہا: اگر آپ ایسا کریں گے تو وہ آپ پر ایمان لے آئیں گے تو آپ نے ایسا نہ کیا اور نہ آپ کی یہ شان تھی۔ ابن انباری نے کہا: نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نہ قریب ہوئے نہ مائل ہوئے۔ زجاج نے کہا: یعنی وہ قریب تھے کہ ایسا کرتے ان اور لام تاکید کے لیے داخل ہوئے ہیں۔ بعض نے کہا: تمنی کا معنی حدث ہے نہ کہ تلاوت کرنا ہے۔ علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اِلَّاۤ اِذَا تَمَنّٰۤى کے بارے میں روایت کیا ہے فرمایا: الا اذا حدث اس کا مفہوم ہے۔ اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِیْۤ اُمْنِيَّتِهٖ کا مطلب ہے اس کی بات میں شیطان نے ڈالا۔

فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِی الشَّيْطٰنُ یعنی اللہ تعالیٰ اسے مٹا دیتا ہے جو شیطان ڈالتا ہے۔ نحاس نے کہا: جو کچھ اس آیت کے بارے کہا گیا ہے اس میں سے یہ بہتر، عمدہ اور بلند و بالا ہے۔ احمد بن محمد بن حنبل نے مصر میں ایک تفسیری نسخہ کے متعلق کہا جس کو علی بن ابی طلحہ نے روایت کیا تھا: کاش کوئی شخص اس کے لیے مصر تک سفر کرے اس میں کثیر معانی کا قصد کرتے ہوئے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کچھ بیان کرتے تو شیطان آپ کی بات میں کسی حیلہ سے کوئی بات ڈال دیتا وہ کہتا: اگر آپ اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے کہ وہ آپ کو اپنے حصہ سے زائد دیتا تو مسلمانوں میں وسعت ہو جاتی اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ فلاح اس کے علاوہ میں ہے تو اسے مٹا دیتا جو شیطان ڈالتا تھا جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے۔ کسائی اور فراء تمام نے تمنی کا معنی حدث نفسہ بیان کیا ہے یہ لغت میں معروف ہے اور ان دونوں نے اس کا معنی تلاوت کرنا بھی کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے اور یہ مجاہد، ضحاک وغیرہما نے کہا ہے۔ ابو الحسن بن مہدی نے کہا: یہ التمنی قرآن اور وحی میں سے کسی چیز میں نہیں ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ مبارک جب مال سے خالی ہو جاتے تھے اور آپ اپنے اصحاب کی معاشی بدحالی کو دیکھتے تو دل کی وجہ سے اور شیطان کے وسوسہ سے دنیا کی خواہش ہوتی؛ یہ مہدوی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب آپ بات کرتے تو شیطان آپ کی بات میں ڈالتا؛ یہ طبری کا مختار ہے۔

میں کہتا ہوں: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لِّيَجْعَلَ مَا يُلْقِی الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً نفس کی حدیث کو رد کرتا ہے۔ ابن عطیہ نے کہا: اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ شیطان کا پھینکنا الفاظ کی وجہ سے تھا جو سنے جاتے تھے جن کے ساتھ فتنہ واقع ہوا۔ نحاس نے کہا اگر حدیث صحیح ہوتی اور اس کی سند متصل ہوتی تو اس میں بات صحیح ہوتی اور سہا کا معنی اسقط ہوتا اور تقدیر کلام اس طرح ہوتی۔

افرایتم اللات والعزیٰ کلام یہاں مکمل ہوئی پھر والغرانیق العلاء کو گرادیا۔ اس سے مراد فرشتے ہیں۔ فان شفاعتھم ضمیر کا مرجع ملائکہ ہیں اور جو فانھم الغرانیق العلاء مروی ہے۔ اس روایت کے کئی جوابات ہیں۔ ایک یہ کہ قول محذوف ہے جیسا کہ عرب کئی اشیاء میں ایسا کرتے ہیں اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ بغیر حذف کے ہو اور یہ توبیخ ہو کیونکہ اس سے پہلے افرایتم ہے۔ یہ ان پر احتجاج ہوگا اگر یہ نماز میں تھا تو پہلے نماز میں کلام کرنا مباح تھا۔ اس واقعہ میں روایت ہے کہ آپ نے جو پڑھا وہ یہ تھا: افرایتم اللات والعزیٰ ومناۃ الثالثۃ الاخریٰ، والغرانقۃ العلاء وان شفاعتھن لترتجی؛ یہ معنی مجاہد سے مروی ہے۔ حسن نے کہا: الغرانیق العلاء سے مراد فرشتے ہیں اس کے ساتھ کلبی نے الغرانقۃ کی تفسیر بیان کی ہے کہ یہ فرشتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ کفار یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ بت اور ملائکہ، اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف سے حکایت کیا ہے اور ان پر اس سورت میں اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى ﴿۲۱﴾ (النجم) کے قول کے ساتھ رد کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے قول کا انکار فرمایا۔ فرشتوں سے شفاعت کی امید صحیح ہے جب مشرکین نے اس کی یہ تاویل کی کہ الذ کہہ سے مراد ان کے خدا ہیں اور ان پر شیطان مسلط نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے مٹادیا جو شیطان نے ڈالا تھا اور اللہ تعالیٰ نے اپنی آیات کو محکم فرمایا اور ان دو لفظوں کی تلاوت کو اٹھادیا جن کے ذریعے شیطان نے تلبیس کا راستہ پایا تھا جیسا کہ اس نے قرآن کا کثیر حصہ منسوخ کردیا اور اس کی تلاوت اٹھادی۔ قشیری نے کہا: یہ درست نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ یعنی اللہ تعالیٰ اسے باطل کرتا ہے جبکہ فرشتوں کی شفاعت باطل نہیں ہے۔ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ جو اس کے نبی کی طرف وحی کیا گیا ہے وہ اسے جانتا ہے۔ اور اپنی مخلوق میں فیصلہ فرمانے والا ہے۔

لِّيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَفِيْ شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ ﴿۵۳﴾

"(یہ سب اس لیے) تاکہ اللہ تعالیٰ بنادے جو وسوسہ ڈالتا ہے شیطان ایک آزمائش ان لوگوں کے لیے جن کے دلوں میں بیماری ہے اور جن کے دل بہت سخت ہیں، اور بیشک ظالم لوگ مخالفت میں بہت دور نکل جاتے ہیں"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لِّيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً میں فِتْنَةً کا معنی ہے گمراہی۔ لِّلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مرض سے مراد شرک اور نفاق ہے۔ وَّالْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ ان کے دل سخت ہیں اللہ کے حکم کے لیے نرم نہیں ہوتے۔ ثعلبی نے کہا: اس آیت میں دلیل ہے کہ انبیاء کرام پر سہو، نسیان اور شیطان کے وسوسہ کی وجہ سے یا دل کے مشغول ہونے کی وجہ سے غلطی جائز ہے پھر اسے متنبہ کیا جاتا ہے اور وہ صحیح کی طرف لوٹ آتا ہے۔ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ کے قول کا یہی معنی ہے۔ لیکن غلطی اس کے مطابق ہوتی ہے جیسے ہم غلطی کرتے ہیں۔ اور جو انہوں نے تلك الغرانیق العلاء کا قول آپ کی طرف منسوب کیا وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر کذب ہے کیونکہ اس میں تو بتوں کی تعظیم ہے اور یہ انبیاء پر جائز نہیں ہے جس طرح یہ جائز نہیں ہے کہ آپ بعض قرآن پڑھیں پھر شعر پڑھنے لگیں اور پھر آپ کہیں کہ میں نے غلطی کی اور میں نے اسے قرآن گمان کیا۔ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَفِيْ شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ ﴿۵۳﴾ ظالمین سے مراد کفار ہیں یعنی وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی

دشمنی، نافرمانی اور مخالفت میں ہیں۔ یہ سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے۔

وَّ لِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَيُؤْمِنُوْا بِهٖ فَتُخْبِتَ لَهٗ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝

"(نیز اس میں یہ حکمت بھی ہے) کہ جان لیں وہ لوگ جنہیں علم بخشا گیا کہ کتاب حق ہے آپ کے رب کی طرف سے تا کہ ایمان لائیں اس کے ساتھ اور جھک جائیں اس (کی سچائی) کے آگے ان کے دل اور بیشک اللہ تعالیٰ ہدایت دینے والا ہے ایمان والوں کو راہ راست کی طرف"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَّ لِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اس سے مراد مومنین ہیں۔ بعض نے کہا: اہل کتاب ہیں۔ انہ یعنی وہ جو اللہ تعالیٰ نے آیات قرآنی سے محکم فرمائیں وہ تیرے رب کی طرف سے حق ہے تا کہ ان کے دل ایمان لائیں اس کے ساتھ اور جھک جائیں اور سکون پائیں۔ بعض نے فتخبت کا معنی تخلص (خالص ہونا) کیا ہے۔ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا ابوحیوہ نے واللہ لھاد الذین آمنوا یعنی تنوین کے ساتھ پڑھا ہے۔ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ یعنی وہ انہیں ہدایت پر ثابت قدم رکھتا ہے۔

وَ لَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً اَوْ يَاْتِيَهُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَقِيْمٍ ۝

"اور ہمیشہ شک میں مبتلا رہیں گے کفار اس کے بارے میں یہاں تک کہ آجائے ان پر قیامت اچانک یا آجائے ان پر عذاب منحوس دن کا"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ لَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ یعنی قرآن کے بارے میں کافر ہمیشہ شک میں رہیں گے، یہ ابن جریج کا قول ہے۔ بعض نے کہا: دین کے بارے میں شک میں رہیں گے اور وہ صراط مستقیم ہے۔ بعض نے کہا: اس کے بارے میں جو شیطان نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر ڈالا اور وہ کہتے ہیں: کیا ہوا ہے اسے کہ پہلے تو بتوں کا ذکر خیر سے کیا ہے اور پھر اس سے پھر گیا ہے۔ ابو عبدالرحمن سلمی نے مرية کو میم کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اور میم کے کسرہ کے ساتھ زیادہ مشہور ہے؛ یہ نحاس نے ذکر کیا ہے۔ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ، الساعة سے مراد قیامت ہے۔ بَغْتَةً کا معنی ہے اچانک۔ اَوْ يَاْتِيَهُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَقِيْمٍ ۝ ضحاک نے کہا: اس دن کا عذاب جس کے لیے رات نہیں ہے اور وہ قیامت کا دن ہے۔ نحاس نے کہا: قیامت کے دن کو عَقِيْمٍ کہا گیا ہے کیونکہ اس کے بعد اس کی مثل دن نہیں آئے گا؛ یہ ضحاک کے قول کا معنی ہے۔ لغت میں عقیم اسے کہتے ہیں جس کی اولاد نہ ہو اور جن والدین کے درمیان بچہ ہو اور رایا متواتر آگے پیچھے ہوں تو بعد والے دنوں کو اولاد کی ہیئت کی طرح بنایا گیا ہے اور وہ دن جس کے بعد دن نہ ہو تو اسے عقیم کہا جاتا ہے۔ حضرت ابن عباس، حسن، مجاہد اور قتادہ نے کہا: اس سے مراد بدر کے دن کا عذاب ہے۔ اور عقیم کا معنی ہے بڑائی میں اس کی مثل نہیں ہے کیونکہ اس

میں فرشتوں نے جہاد کیا تھا۔ ابن جریج نے کہا: کیونکہ وہ اس دن رات تک نظر نہیں آئے تھے بلکہ وہ شام سے پہلے قتل کیے گئے پس وہ ایسا دن ہوا جس کے لیے رات نہیں ہے اسی طرح ضحاک کے قول کا معنی ہے کہ وہ قیامت کا دن ہے کیونکہ اس کے لیے رات نہیں ہے۔ بعض نے کہا: اس کو عقیم اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ اس میں رحمت ورأفت نہیں ہے اور وہ ہر خیر سے خالی ہے۔ اسی سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيْحَ الْعَقِيْمَ ﴿۴۱﴾ (الذاریات) یعنی ایسی ہوا جس میں خیر نہ تھی اور نہ وہ بارش لاتی تھی نہ رحمت۔

اَلْمُلْكُ يَوْمَىِٕذٍ لِّلّٰهِ ؕ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ ؕ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۵۶﴾ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَاُولٰٓىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۵۷﴾

''حکمرانی اس روز اللہ تعالیٰ کی ہوگی وہی فیصلہ فرمائے گا لوگوں کے درمیان پس جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے تو وہ نعمت (واحسان) کے باغوں میں (قیام پذیر) ہونگے اور جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا تو یہ بدنصیب ہیں جن کے لیے رسوا کن عذاب ہوگا''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَلْمُلْكُ يَوْمَىِٕذٍ لِّلّٰهِ ؕ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ یعنی قیامت کے روز حکمرانی صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہوگی اس میں نہ کوئی جھگڑنے والا ہوگا نہ دفاع کرنے والا۔ اَلْمُلْكُ کا معنی ہے جس کے لیے امور کی تدبیر ہے۔ اس کے لیے قدرت کا وسیع ہونا پھر اس کا حکم بیان فرمایا۔ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۵۶﴾ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَاُولٰٓىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۵۷﴾۔

میں کہتا ہوں: یہ احتمال ہے کہ یومئذ سے یوم بدر کی طرف اشارہ ہو اس نے اس دن میں کافر کو ہلاک کرنے اور مومن کو سعادت بخشنے کا فیصلہ فرمایا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو فرمایا تھا: ''تجھے کیا معلوم اللہ تعالیٰ نے اہل بدر پر کرم کیا اور فرمایا جو چاہو کرو میں نے تمہیں بخش دیا'' (1)۔

وَ الَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْۤا اَوْ مَاتُوْا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۵۸﴾ لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا يَّرْضَوْنَهٗ ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَعَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ﴿۵۹﴾

''اور جن لوگوں نے ہجرت کی راہ خدا میں پھر وہ (جہاد میں) قتل کر دیئے گئے یا طبعی طور پر فوت ہوئے تو ضرور عطا فرمائے گا انہیں اللہ تعالیٰ بہترین رزق اور بیشک اللہ تعالیٰ ہی ہے جو سب سے بہتر روزی دینے والا ہے۔ وہ ضرور داخل کرے گا انہیں ایسی جگہ جسے وہ پسند کریں گے اور یقیناً اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا، بڑا بردبار ہے''۔

وہ مہاجرین جو فوت ہو گئے اور شہید ہو گئے تو انہیں دوسرے مردوں پر فضیلت وشرف دینے کے لیے ان کا علیحدہ ذکر کیا۔ اس آیت کے نزول کا سبب یہ ہے کہ جب مدینہ طیبہ میں حضرت عثمان بن مظعون اور حضرت ابو سلمہ بن عبد الاسد فوت

1۔ صحیح بخاری، کتاب المغازی، فضل شہداء بدر، جلد 2، صفحہ 567

ہوئے تو بعض لوگوں نے کہا جو اللہ تعالیٰ کے راستہ میں شہید ہوا وہ اس سے افضل ہے جو طبعی موت مرا تو ان کی برابری بیان کرتے ہوئے یہ آیت نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ تمام کو عمدہ رزق دیتا ہے۔ شریعت کا ظاہر یہ ہے کہ شہید افضل ہے۔ بعض اہل علم نے کہا: اللہ تعالیٰ کے راستہ میں شہید اور اللہ تعالیٰ کے راستہ میں فوت ہونے والا شہید ہے لیکن مقتول نے جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے برداشت کیا اس کی وجہ سے اسے فضیلت ہے۔ بعض نے کہا: دونوں برابر ہیں اور اس آیت سے حجت پکڑی ہے اور دوسری حجت اس آیت سے پکڑی ہے: وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ (النساء: 100) اور تیسری دلیل حضرت ام حرام کی حدیث سے پکڑی ہے وہ اپنی سواری سے گر کر وصال فرما گئی تھیں اور شہید نہیں ہوئی تھیں جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے خوشخبری سنائی تھی کہ ''تو پہلے لوگوں میں سے ہے'' (1) اور چوتھی دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کو بنایا جو حضرت عبداللہ بن عتیک کی حدیث میں ہے فرمایا: ''جو گھر سے اللہ کے راستہ میں ہجرت کرتے ہوئے نکلا پھر وہ اپنی سواری سے گرا اور فوت ہو گیا یا اسے سانپ نے کاٹا وہ مر گیا یا طبعی موت مر گیا اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے اور جو شخص اچانک مر جائے تو وہ انجام کا مستوجب ہوگا'' (2)۔ ابن المبارک نے حضرت فضالہ بن عبید سے روایت کیا ہے اس میں ہے کہ دو آدمیوں میں سے ایک کو جنگ میں منجنیق لگی اور فوت ہو گیا اور دوسرا وہاں فوت ہو گیا۔ حضرت فضالہ میت کے پاس بیٹھے تھے تو انہیں کہا گیا: تو نے شہید کو چھوڑ دیا ہے جبکہ تم اس کے پاس نہیں بیٹھے کیا وجہ ہے؟ حضرت فضالہ نے کہا: مجھے کوئی پروا نہیں میں کسی ایک کی قبر سے اٹھایا جاؤں پھر یہ آیت تلاوت کی: وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا۔ سلیمان بن عامر نے کہا: حضرت فضالہ زمینوں پر بردس میں امیر بنائے گئے تھے دو شخصوں کے جنازے اٹھائے گئے ایک مقتول (شہید) تھا اور دوسرا ایسے فوت ہوا تھا۔ حضرت فضالہ نے دیکھا کہ لوگ شہید کے جنازہ کے ساتھ اس کی قبر کی طرف میلان کر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا: اے لوگو! میں دیکھتا ہوں تم شہید کی طرف میلان کر رہے ہو قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! مجھے کوئی پروا نہیں میں ان میں سے کسی کی قبر سے اٹھایا جاؤں تم یہ ارشاد پڑھو: وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا۔ اسی طرح ثعلبی نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا۔ ابن المبارک نے جو ذکر کیا ہے اس کا معنی ہے اور جو کہتے ہیں کہ مقتول کو فضیلت حاصل ہے وہ یہ کہتے ہیں کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا: کون سا جہاد افضل ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس کا خون بہایا گیا اور جس کے گھوڑے کی کونچیں کاٹی گئیں'' (3)۔ جب افضل شہید وہ ہے جس کا خون بہایا گیا اور کونچیں کاٹی گئی تو معلوم ہوا کہ جو اس صفت پر نہیں ہے وہ مفضول ہے۔ ابن عامر اور اہل شام نے قُتِّلُوا کثرت کی تشدید کے لیے پڑھا ہے۔ باقی قراء نے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ لیدخلنھم مدخلا کریما اس سے باغات مراد ہیں۔ اہل مدینہ کی قرات مَدخلا میم کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ مراد

1۔ موطا امام مالک، کتاب الجہاد، الترغیب فی الجہاد، صفحہ 480
2۔ مجمع الزوائد، کتاب الجہاد، جلد 5 صفحہ 503
3۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الجہاد، القتال فی سبیل اللہ، صفحہ 206
ایضاً، ابوداؤد، ابواب قیام اللیل باب طول القیام، حدیث 1237، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

دخول ہے اور باقی قراء نے ضمہ دیا ہے۔ یہ سورۂ سبحان میں گزر چکا ہے۔ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ﴿۵۹﴾ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: وہ ان کی نیتوں کو جاننے والا ہے، ان کو سزا دینے میں بردبار ہے۔

ذٰلِكَ ۚ وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ بِهٖ ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ لَيَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ﴿۶۰﴾

''ان باتوں کو یاد رکھو اور جس نے بدلا لیا اتنی قدر جتنی تکلیف اسے دی گئی تھی پھر (مزید) زیادتی کی گئی اس پر تو اللہ تعالیٰ ضرور اس کی مدد فرمائے گا، بیشک اللہ تعالیٰ بہت معاف فرمانے والا بہت بخشنے والا ہے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ذٰلِكَ ۚ وَمَنْ عَاقَبَ، ذٰلِكَ محل رفع میں ہے یعنی ذالك الأمر الذي قصصنا عليك وہ معاملہ جو ہم نے آپ پر بیان کیا ہے۔ مقاتل نے کہا: یہ مشرکین مکہ کے بارے میں نازل ہوئی محرم کی دوراتیں باقی تھیں ان کی مسلمانوں سے ملاقات ہوئی مشرکوں نے کہا: محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب شہر حرام میں جنگ کو ناپسند کرتے ہیں اس لیے اب ان پر حملہ کردو، مسلمانوں نے ان سے سوال کیا تھا کہ وہ شہر حرام میں ان سے جنگ نہ کریں۔ مشرکین نے انکار کیا اور جنگ کرنے کے لیے مسلمانوں پر حملہ کر دیا مسلمان ثابت قدم رہے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مشرکین کے خلاف مدد کی اور مسلمانوں کے دلوں میں شہر حرام میں جنگ کی وجہ سے پریشانی تھی تو یہ آیت نازل ہوئی۔ بعض نے کہا: یہ مشرکوں کے متعلق نازل ہوئی جنہوں نے مسلمانوں کا مثلہ کیا تھا پھر جنگ احد میں ان سے لڑائی ہوئی تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کیا پس وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ بِهٖ کا معنی ہے جس نے ظالم کو اتنی جزا دی جتنا اس نے اس پر ظلم کیا تھا۔ پس عوقبت کی جزا کو عوقبت کہا گیا ہے کیونکہ صورت میں فعل برابر ہیں یہ وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا (الشوریٰ: 40) کی طرح ہے اور فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ (البقرہ: 194) کی مثل ہے۔ یہ پہلے گزر چکا ہے۔ ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ پھر کلام کے ذریعے یا اسے اپنے وطن سے نکال کر مشرکین نے اپنے نبی کو جھٹلایا اور مومنین کو اذیت دی اور انہیں مکہ سے باہر نکالا اور ان کے نکالنے پر غالب آگئے۔ لَيَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ یعنی اللہ تعالیٰ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کی ضرور مدد کرے گا کیونکہ کفار نے ان پر زیادتی کی۔ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ﴿۶۰﴾ اللہ تعالیٰ نے مومنین کو معاف فرمایا اور شہر حرام میں ان کے قتال کو بھی معاف فرمایا اور ان پر پردہ ڈالا۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۶۱﴾

''اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی داخل کرتا ہے رات (کے کچھ حصہ) کو دن میں اور داخل کرتا ہے دن (کے کچھ حصہ) کو رات میں اور اللہ تعالیٰ سب باتیں سننے والا سب کچھ دیکھنے والا ہے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ یعنی جو میں نے تجھ پر مظلوم کی مدد کرنے سے بیان کیا ہے وہ میں ہی ہوں جو رات کو دن میں داخل کرتا ہوں اور کوئی اس پر قادر نہیں جس پر میں قادر ہوں، اس قدرت سے وہ اپنے بندے کی مدد کرنے پر قادر ہے۔ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وہ اقوال کو سنتا ہے اور افعال کو دیکھتا ہے اس سے ذرہ برابر کوئی چیز مخفی نہیں ہے

اور چیونٹی کے چلنے کی آواز کو بھی وہ جانتا ہے، سنتا اور دیکھتا ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَ اَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ وَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿۶۲﴾

''نیز اس کی یہ وجہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جو خدائے برحق ہے اور جسے وہ پوجتے ہیں اس کے علاوہ وہ سراسر باطل ہے اور اللہ تعالیٰ ہی ہے جو سب سے بلند (اور) سب سے بڑا ہے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ یعنی وہ حق والا ہے۔ اس کا دین حق ہے اور اس کی عبادت حق ہے اور مومنین اس سے نصرت کے مستحق ہوتے ہیں اس کے حق وعدہ کے حکم سے۔ وَ اَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ یعنی وہ بت جن کا عبادت میں کوئی استحقاق نہیں ہے۔ نافع، ابن کثیر، ابن عامر اور ابوبکر نے وان ماتدعون تاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابو حاتم نے اس کو اختیار کیا ہے اور باقی قراء نے خبر کی بناء پر یاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ اور سورۂ لقمان میں بھی یاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابو عبید نے اس کو اختیار کیا ہے۔ وَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ یعنی اپنی قدرت کی وجہ سے ہر چیز سے بلند ہے۔ اور اشباہ، انداد سے بلند ہے اور ظالم لوگ جو ایسی صفات بیان کرتے ہیں جو اس کے جلال کے مطابق نہیں ہیں وہ ان سے پاک ہے۔ الْكَبِيْرُ ﴿۶۲﴾ عظمت، جلال اور بلند شان سے متصف ہے۔ بعض نے کہا: الْكَبِيْرُ کا مطلب ہے کبریاء والا اور الْكَبِيْرُ کمال ذات سے عبارت ہے یعنی اس کے لیے ہمیشہ سے وجود مطلق ہے وہ ازل قدیم ہے آخر باقی ہے جبکہ مخلوق فنا ہو جائے گی۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۫ فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ﴿۶۳﴾

''کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے اتارا آسمان سے پانی تو ہو جاتی ہے (خشک) زمین سرسبز و شاداب، بیشک اللہ تعالیٰ ہمیشہ لطف فرمانے والا ہر چیز سے باخبر ہے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۫ فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے کمال پر دلیل ہے یعنی جو اس پر قادر ہے وہ موت کے بعد حیات کے اعادہ پر قادر ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَ رَبَتْ جب ہم نے اس پر پانی اتارا تو لہلہانے لگی اور بڑی ہوئی۔ اس کی بہت سی مثالیں ہیں۔ فَتُصْبِحُ جواب نہیں ہے تاکہ منصوب ہو؛ یہ خلیل اور سیبویہ کے نزدیک خبر ہے۔ خلیل نے کہا: اس کا معنی ہے تو بیدار ہو، اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی نازل کیا تو ایسا ایسا ہوا جیسا کہ شاعر نے کہا:

اَلَم تَسأَلِ الرَّبعَ القَواءَ فَيَنطِقُ وَهَل تُخبِرَنْكَ اليَومَ بَيداءُ سَمْلَقُ

اس کا معنی ہے تو نے اس سے سوال کیا تو وہ بولا۔ بعض علماء نے کہا: استفہام تحقیق ہے یعنی قد رایت میں پھر تو غور کر کیسے یہ ہو جاتی ہے یا عطف ہے کیونکہ اس کا معنی ہے کیا تم نے ملاحظہ نہیں کیا کہ ان کو اللہ تعالیٰ نازل کرتا ہے۔ فراء نے کہا: اَلَمْ تَرَ خبر ہے جیسے تو کلام عرب میں دیکھتا ہے جان تو کہ اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی نازل کرتا ہے۔ فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً تو وہ

زمین سرسبز ہوگئی جیسے تو کہتا ہے: مبقلة و مسبعة یعنی سبزیوں والی زمین اور درندوں والی زمین۔ یہ بتانا مقصود ہے کہ پانی کے نزول کا اثر بوٹیوں پر جلدی ہوتا ہے۔ عکرمہ نے کہا: اور وہ اس طرح نہ ہوا مگر مکہ اور تہامہ میں (1)۔ اس کا مطلب ہے اس نے فَتُصْبِحُ کے قول سے بارش کی رات کی صبح مراد لی ہے۔ اور ان کا خیال ہے یہ شادابی باقی شہروں میں متاخر ہوتی ہے۔ میں نے یہ بسوس الاقصیٰ میں مشاہدہ کیا کہ قحط کے بعد رات کو بارش نازل ہوئی تو وہ ریتلی زمین جس کو ہوا اڑاتی تھی صبح کے وقت باریک بوٹیوں کے ساتھ سرسبز و شاداب تھی۔ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: خَبِيْرٌ بارش کے نہ ہونے کے وقت بندے پر جو مایوسی طاری ہوتی ہے وہ اس سے باخبر ہوتا ہے۔ لَطِيْفٌ اپنے بندوں کو رزق بخشنے میں بہت لطیف ہے۔ بعض علماء نے کہا: زمین سے نباتات نکالنے میں لطیف ہے اور ان کی حاجت و فاقہ سے باخبر ہے۔

لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ۝۶۴

''اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور بلا شبہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جو سب سے بے پروا اور تعریف کا مستحق ہے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ تخلیق اور ملکیت کے اعتبار سے سب کچھ اسی کا ہے ہر چیز تدبیر اور پختگی میں اس کی محتاج ہے۔ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ۝۶۴ وہ کسی چیز کا محتاج نہیں وہ ہر حال میں محمود ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ وَ الْفُلْكَ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ؕ وَ يُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝۶۵

''کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمانبردار بنا دیا ہے تمہارے لیے ہر چیز کو جو زمین میں ہے اور کشتی کو بھی کہ چلتی ہے سمندر میں اس کے حکم سے اور اس نے روکا ہوا ہے آسمان کو کہ گر نہ پڑے زمین پر بجز اس کے فرمان کے، بیشک اللہ تعالیٰ لوگوں کے ساتھ بڑی مہربانی فرمانے والا ہمیشہ رحم کرنے والا ہے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ ایک اور نعمت کا ذکر فرمایا بتایا کہ اس نے اپنے بندوں کے لیے جانور، درخت اور نہریں جس کی انہیں ضرورت تھی اسے مسخر کر دیا۔ الْفُلْكَ اور کشتی کو اس کے چلنے کی حالت میں تمہارے لیے مسخر کیا، ابو عبد الرحمن اعرج نے والفلك کو مبتدا کی حیثیت سے مرفوع پڑھا ہے اور ما بعد کو خبر بنایا ہے جبکہ باقی قراء نے مَّا فِي الْاَرْضِ پر عطف کی بنا پر منصوب پڑھا ہے۔ وَ يُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ یعنی کراهية ان تقع۔ اور کوفیوں نے اس کی تفسیر میں کہا: لئلا تقع آسمان کو اس کا روکنا یہ ہے کہ اس نے اس میں ایک حال کے بعد دوسرے حال میں سکون پیدا کیا ہے۔ اِلَّا بِاِذْنِهٖ مگر اللہ تعالیٰ کے اذن سے اس کا وقوع ہوگا۔ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝۶۵ وہ اشیاء جن کو اس نے بندوں کے لیے مسخر کیا ان میں وہ بندوں پر مہربانی کرنے والا ہے۔

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 131

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَحْيَاكُمْ ۡ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ ۝۶۶

''اور وہی ہے جس نے تمہیں زندگی دی پھر مارے گا تمہیں پھر زندہ کرے گا تمہیں بیشک انسان بڑا ناشکرا ہے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَهُوَ الَّذِيْٓ اَحْيَاكُمْ یعنی تمہارا نطفہ ہونے کے بعد اس نے تمہیں زندگی دی ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ اور تمہاری عمر پوری ہونے کے وقت وہ تمہیں موت دے گا ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ پھر وہ تمہیں حساب، ثواب اور عقاب کے لیے زندہ کرے گا۔ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ ۝۶۶ جب وہ آیات ظاہر ہو چکی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی قدرت و وحدانیت پر دلالت کرتی ہیں پھر بھی انسان منکر بنا ہوا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: الْاِنْسَانَ سے مراد اسود بن عبد الاسد، ابوجہل بن ہشام، عاص بن ہشام اور مشرکین کی ایک جماعت ہے۔ بعض نے کہا: یہ اس لیے فرمایا کیونکہ اکثر انسان نعمتوں کی ناشکری کرتے ہیں جیسے فرمایا: قَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ ۝ (سبا)

لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْاَمْرِ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ ؕ اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِيْمٍ ۝۶۷

''ہر امت کے لیے ہم نے مقرر کر دیا ہے عبادت کا طریقہ جس کے مطابق وہ عبادت کرتے ہیں تو انہیں چاہیے کہ وہ نہ جھگڑا کریں آپ سے اس معاملہ میں آپ بلاتے رہیئے انہیں اپنے رب کی طرف، (اے محبوب!) آپ بیشک سیدھی راہ پر (گامزن) ہیں''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا یعنی ہم نے ہر امت کے لیے شریعت مقرر کی ہے هُمْ نَاسِكُوْهُ وہ اس پر عمل کرنے والے ہیں۔ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْاَمْرِ تمہاری امت کے لیے جو شریعت ہے اس میں کوئی شخص آپ سے جھگڑا نہ کرے۔ ہر زمانہ کی اپنی شریعت تھی۔ ایک فرقہ نے روایت کیا ہے کہ یہ آیت کفار جو ذبائح کے بارے میں جھگڑا کرتے تھے اس کے سبب نازل ہوئی اور جو وہ مومنین سے کہتے تھے: تم وہ کھاتے ہو جو تم خود ذبح کرتے ہو اور اسے نہیں کھاتے جس کو اللہ تعالیٰ مارتا ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ مارتا ہے وہ زیادہ حقدار ہے کہ تم اسے کھاؤ بنسبت اس کے جس کو تم ہی چھریوں سے قتل کرتے ہو۔ تو اس جھگڑا کے سبب یہ آیت نازل ہوئی۔ یہ مسئلہ سورۃ انعام میں گزر چکا ہے۔ والحمد للہ۔ اور مَنْسَكًا کے متعلق علماء کے اقوال ہیں وہ اسی سورت میں گزر چکے ہیں اور هُمْ نَاسِكُوْهُ یہ شعور دیتا ہے کہ منسک مصدر ہے اگر یہ ظرف کا صیغہ ہوتا تو ھم ناسکون فیہ ہوتا۔ زجاج نے کہا: فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْاَمْرِ کا مطلب ہے آپ سے وہ نہ جھگڑیں اس معنی پر اِنْ جٰدَلُوْكَ دلالت کرتا ہے۔ کہا جاتا ہے: وہ تو آپ سے جھگڑے تھے پھر کیسے فرمایا کہ وہ آپ سے نہ جھگڑیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا معنی ہے آپ ان سے نہ جھگڑیں۔ یہ آیت قتال کے حکم سے پہلے نازل ہوئی۔ تو کہتا ہے: لا یضاربنک فلان فلا تضاربہ أنت پس یہ باب مفاعلہ پر جاری ہوا۔ یہ نہیں کہا جاتا: لا یضربنک زیدٌ وأنت ترید لا تضرب زیداً اور ابو مجلز نے فلا ینزعنک فی الامر پڑھا ہے یعنی وہ آپ کو ہلکا نہ سمجھے اور وہ دین کے معاملہ میں تجھ پر غالب نہ آئے۔ جماعت کی قرأت المنازعۃ سے ہے۔ نہی کا لفظ دونوں قرأتوں میں کفار کے لیے ہے اور مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ یعنی آپ انہیں اللہ تعالیٰ

کی توحید، اس کے دین اور اس پر ایمان لانے کی طرف بلائیں۔ اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِيْمٍ ۞ آپ دین مستقیم پر ہیں۔ جس میں کوئی کجی نہیں ہے۔

وَ اِنْ جٰدَلُوْكَ فَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۞ اَللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۞

''آپ سے جھگڑا کریں تو آپ (صرف اتنا) فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے جو تم کر رہے ہو۔ اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمائے گا تمہارے درمیان قیامت کے دن ان امور کے بارے میں جن میں تم اختلاف کرتے رہتے ہو''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اِنْ جٰدَلُوْكَ، اے پیارے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم اگر وہ آپ سے جھگڑیں یعنی مشرکین مکہ فَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۞ تو کہو: اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے جو تم کرتے ہو یعنی جو وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرتے ہیں؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ مقاتل نے کہا: یہ آیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر شب معراج نازل ہوئی جب آپ ساتویں آسمان میں تھے اور جو آپ نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھی تھیں تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی کی وَ اِنْ جٰدَلُوْكَ اگر وہ باطل کے ساتھ تم سے جھگڑیں تو انہیں اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ کے قول کے ساتھ جواب دو یعنی کفر و تکذیب جو تم کر رہے ہو اللہ تعالیٰ اسے بہتر جانتا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو جھگڑا کرنے سے اعراض کا حکم فرمایا تاکہ آپ ان کی ہٹ دھرمی سے مشغول ہونے سے محفوظ رہیں۔ ہٹ دھرم شخص کے لیے کوئی جواب نہیں ہوتا۔

اَللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی قوم کے درمیان اللہ تعالیٰ قیامت کے روز فیصلہ فرمائے گا۔

مسئلہ: اس آیت میں حسن آداب سکھایا جا رہا ہے کہ جو شخص تعصب اور صرف جھگڑا کرنے کے لیے مناظرہ کرتا ہے اسے جواب نہ دیا جائے اور اس سے مناظرہ نہ کیا جائے بلکہ اسے صرف وہی کہا جائے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سکھایا۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ آیت، آیت سیف کے ساتھ منسوخ ہے یعنی مخالفت پر خاموشی اور اَللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ کے قول پر اکتفا منسوخ ہے۔

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ فِيْ كِتٰبٍ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۞

''کیا آپ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے، یہ سب کچھ ایک کتاب میں (لکھا ہوا) ہے، بیشک (بلندی اور پستی کی ہر چیز کو جان لینا) اللہ تعالیٰ پر آسان ہے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ، یعنی اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم جب آپ کو یہ معلوم ہے اور آپ کو یقین ہے تو جان لو کہ وہ یہ بھی جانتا ہے جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں وہ ان کے درمیان فیصلہ فرمائے گا۔ بعض نے کہا: یہ غیر کے لیے استفہام تقریر ہے۔ اِنَّ ذٰلِكَ فِيْ كِتٰبٍ یعنی جو کچھ اس عالم میں ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ام الکتاب

میں لکھا ہوا ہے۔ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝ اختلاف کرنے والوں کے درمیان فیصلہ کرنا اللہ پر آسان ہے۔ بعض نے کہا: اس قلم کا لکھنا جس کو اللہ تعالیٰ نے قیامت تک ہونے والے امور کے لکھنے کا حکم دیا اللہ تعالیٰ پر آسان ہے۔

وَ يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّ مَا لَيْسَ لَهُمْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ۝

''اور وہ پوجتے ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا ان کو نہیں اتاری جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے کوئی سند اور انہیں خود بھی ان کے بارے میں کوئی علم نہیں اور نہیں ہوگا ظلم وستم کرنے والوں کا کوئی مددگار''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ يَعْبُدُوْنَ اس سے مراد کفار قریش ہیں جو بتوں کی عبادت کرتے تھے۔ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا۔ سلطان سے مراد حجت اور دلیل ہے۔ یہ سورۂ آل عمران میں گزر چکا ہے۔

وَ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمُنْكَرَ ؕ يَكَادُوْنَ يَسْطُوْنَ بِالَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ؕ قُلْ اَفَاُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ اَلنَّارُ ؕ وَعَدَهَا اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَ بِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝

''اور جب تلاوت کی جاتی ہیں ان کے سامنے ہماری آیتیں صاف صاف تو آپ پہچان لیتے ہیں کفار کے چہروں پر ناپسندیدگی کے آثار یوں پتہ چلتا ہے کہ وہ عنقریب جھپٹ پڑیں گے ان لوگوں پر جو پڑھتے ہیں ان کے سامنے ہماری آیتیں۔ آپ فرمایئے (اے چیں بجبیں ہونے والو!) کیا میں آگاہ کردوں تمہیں اس سے بھی تکلیف دہ چیز پر دوزخ کی آگ! وعدہ کیا ہے اس آگ کا اللہ تعالیٰ نے کفار سے اور دوزخ بہت برا ٹھکانا ہے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ آیات سے مراد قرآن ہے۔ تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمُنْكَرَ، المنکر سے مراد غضب اور یبوست ہے۔ يَكَادُوْنَ يَسْطُوْنَ وہ پکڑتے ہیں۔ السطوة کا معنی شدت سے پکڑنا ہے۔ کہا جاتا ہے: سطا بہ یسطو جب کوئی کسی چیز کو پکڑ لے خواہ یہ مارنے کے ساتھ ہو یا گالی گلوچ کے ساتھ ہو۔ اور سطا علیہ بھی استعمال ہوتا ہے۔ بِالَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یسطون کا معنی ہے وہ ان کی طرف ان کے ساتھ لڑتے ہیں۔ ضحاک نے کہا: وہ انہیں سختی سے ہاتھ سے پکڑتے ہیں۔ تمام معانی ایک جیسے ہیں۔ السطو کی اصل قہر ہے۔ اللہ تعالیٰ ذوسطوت ہے اور سخت گرفت کرنے والا ہے۔ قُلْ اَفَاُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ اَلنَّارُ اس قرآن سے جو تم سنتے ہو ناپسندیدہ چیز آگ ہے۔ بعض نے کہا: النار سے پہلے ضمیر ہے یعنی ھو النار وہ آگ ہے۔ بعض نے کہا: اس کا مطلب ہے کیا میں تمہیں اس سے بھی بری چیز سے آگاہ نہ کروں جو تم سے قرآن پڑھنے والے کو لاحق ہوتی ہے وہ آگ ہے۔ تو یہ ان کے لیے وعید ہوگی جو قرآن پڑھنے والوں کو شدت سے پکڑتے ہیں۔ اور النار میں رفع، نصب اور جر تینوں اعراب جائز ہیں۔ الرفع ھو النار کی تقدیر پر یا ھی النار کی تقدیر پر النصب اعنی کی تقدیر پر یا فعل کے اضمار پر جو دوسرے فعل کی مثل ہے یا

معنی پر محمول کی بنا پر یعنی اعرفکم بشہ من ذلکم النار اور زبر بدل کی بنا پر۔

وَعَدَهَا اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا یعنی قیامت میں وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ۝ وہ جگہ جس کی طرف وہ جائیں گے وہ آگ ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ۭ وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْـــــًٔا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ۭ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ۝

''اے لوگو! ایک مثال بیان کی جارہی ہے پس غور سے سنو اسے بیشک جن معبودوں کو تم پکارتے ہو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر یہ تو مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے اگرچہ وہ سب جمع ہو جائیں اس (معمولی سے) کام کے لیے اور اگر چھین لے ان سے مکھی بھی کوئی چیز تو وہ نہیں چھڑا سکتے اسے اس مکھی سے، (آہ) کتنا بے بس ہے ایسا طالب اور کتنا بے بس ہے ایسا مطلوب''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ، اس کا تعلق وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔۔۔الخ سے ہے فرمایا: ضُرِبَ مَثَلٌ مثال دی گئی ہے کیونکہ ضرب امثال کے ذریعے ان پر اللہ تعالیٰ کی حجتیں، ان کے افہام کے زیادہ قریب تھیں۔ اگر کہا جائے کہ جو مثال دی گئی ہے وہ کہاں ہے تو اس میں دو وجوہ ہیں:

1۔ اخفش نے کہا: یہاں کوئی مثل نہیں مطلب یہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے مثال دی تم ان کی بات غور سے سنو یعنی کفار نے اللہ تعالیٰ کے لیے مثال بنائی ہے غیر کی عبادت کر کے گویا فرمایا: انہوں نے میری عبادت میں میری شبیہ بنائی ہے اس تشبیہ کی خبر سنو۔

2۔ قتبی کا قول ہے اس کا معنی ہے اے لوگو! جو ان بتوں کی عبادت کرتے ہیں جو مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے اگر مکھی ان سے کوئی چیز چھین لے تو اس سے لینے کی طاقت نہیں رکھتے۔ نحاس نے کہا: اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ نے مثال بیان فرمائی اس کی جس کی اللہ تعالیٰ کے علاوہ عبادت کی جاتی ہے۔ اور فرمایا: جو کچھ اس آیت کے بارے کہا گیا ہے اس میں سے یہ قول عمدہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے اور تمہارے معبود کے لیے ایک شبہ بیان فرمائی۔ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ تمام کی قرأت تاء کے ساتھ تدعون ہے۔ سلمی، ابوالعالیہ اور یعقوب نے خبر کی بنا پر یا کے ساتھ یدعون پڑھا ہے۔ اس سے مراد وہ بت ہیں جن کی وہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کرتے تھے اور یہ کعبہ کے ارد گرد تھے یہ تین سو ساٹھ بت تھے۔ بعض نے فرمایا: اس سے مراد وہ سردار ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے لوگوں کو روکا تھا۔ بعض نے کہا: اس سے مراد شیاطین ہیں جنہوں نے انہیں اللہ تعالیٰ کی معصیت پر ابھارا تھا۔ پہلا قول زیادہ درست ہے۔ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا، الذباب اسم ہے مذکر اور مؤنث کے لیے اور جمع قلت اَذِبَّۃ اور جمع کثرت ذِبَّان آتی ہے جیسے غراب کی جمع اَغْرِبَۃ اور غِرْبان آتی ہے اور مکھی کو ذباب اس کی کثرت سے حرکت کرنے کی وجہ سے کہتے ہیں۔ جوہری نے کہا: الذباب معروف ہے اس کا واحد ذُبابۃ ہے اور ذِبابَۃٌ نہ کہو۔ المِذَبّۃ جس کے ساتھ مکھی کو دور کیا جاتا ہے: ذباب أسنان الابل اونٹوں کی عمروں کی حد۔ ذباب السیف تلوار کی طرف جو ماری جاتی ہے۔

ذباب العین سے مراد آنکھوں کی پتلی ہے۔ الذبابۃ قرض کا بقیہ حصہ۔ ذبب النہار بولا جاتا ہے۔ جب تھوڑا سا دن باقی ہو۔ التذبذب کا معنی حرکت کرنا ہے۔ الذبابۃ کسی چیز کا حرکت کرنے والا حصہ جو ہوا میں لٹکائی گئی ہوتی ہے۔ الذبذب ذکر کو بھی کہتے ہیں کیونکہ وہ بار بار حرکت کرتا رہتا ہے۔ حدیث میں ہے: من وقی شر ذبذبۃ یعنی جسے ذبذبہ کے شر سے بچایا گیا۔ وَ اِنْ یَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَیْـًٔا لَّا یَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ، الاستنقاذ اور الانقاذ کا مطلب ہے چھوڑوانا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ اپنے بتوں پر زعفران ملتے تھے۔ پھر وہ خشک ہوتا تھا۔ پس مکھی آتی تھی اور اسے اچک لیتی تھی۔ سدی نے کہا: وہ اپنے بتوں کے لیے کھانا رکھتے تھے اس پر مکھی بیٹھتی تھی اور اسے کھا جاتی تھی۔ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَ الْمَطْلُوْبُ بعض علماء نے کہا: الطالب سے مراد وہ بت ہیں اور المطلوب سے مراد مکھی ہے۔ بعض نے اس کے برعکس کہا ہے۔ بعض نے کہا: الطالب سے مراد بتوں کے پجاری ہیں اور المطلوب سے مراد بت ہے۔ عابد اس بت کی طرف قرب حاصل کرتا تھا۔ اور وہ بت اس کا مطلوب الیہ تھا۔ اور کہا گیا ہے: وَ اِنْ یَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَیْـًٔا یہ اس کے الم کی طرف راجع ہے جو ان کے جسموں کو کاٹنے کی صورت میں الم اور تکلیف پیدا ہوتی ہے حتی کہ ان سے صبر اور وقار چھین لیتا ہے۔ یہاں مکھی کی مثال اس کی چار خصوصیات کی وجہ سے دی۔ اس کی ذلت و ضعف اور اس کی گندگی کو طلب کرنے اور اس کی کثرت کی وجہ سے مثال بیان کی ہے۔ جب یہ مکھی جو کمزور ترین حیوان ہے اور حقیر ترین حیوان ہے۔ ان کے معبود اس کی مثل پیدا کرنے پر قادر نہیں ہیں اور اس کی اذیت دور کرنے کی طاقت نہیں رکھتے تو پھر یہ خدا معبود اور ارباب جن کی اطاعت کی جاتی ہو کیسے بن سکتے ہیں؟ یہ قوی ترین دلیل ہے۔

مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ ۝

"نہ قدر پہچانی انہوں نے اللہ تعالیٰ کی جیسے اس کی قدر پہچاننے کا حق تھا بیشک اللہ تعالیٰ بڑا طاقتور (اور) سب پر غالب ہے"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ، یعنی انہوں نے اللہ کی ایسی تعظیم نہ کی جیسی اس کی عظمت کا حق تھا کیونکہ انہوں نے مورتیوں کو اس کا شریک بنا دیا۔ یہ سورۂ انعام میں گزر چکا ہے۔

اَللّٰهُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌۢ بَصِیْرٌ ۝ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ ؕ وَ اِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝

"اللہ تعالیٰ چن لیتا ہے فرشتوں سے بعض پیغام پہنچانے والے اور انسانوں سے بھی بعض کو رسول بنایا، بیشک اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا دیکھنے والا ہے۔ وہ جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف ہی لوٹائے جائیں گے سارے معاملات"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَللّٰهُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّ مِنَ النَّاسِ، سورت کا اختتام اس پر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسالت کی تبلیغ کے لیے چن لیا ہے یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مبعوث ہونا کوئی اجنبی امر نہیں۔ بعض نے کہا: ولید بن مغیرہ نے کہا: کیا ہمارے درمیان سے اس پر قرآن نازل ہوا ہے؟ تو یہ آیت نازل ہوئی اور بتایا کہ یہ اختیار اللہ تعالیٰ کا

ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے اقوال کو سننے والا ہے۔ بَصِيْرٌ ﴿۷۵﴾ وہ دیکھتا ہے اسے جسے وہ اپنی مخلوق میں سے رسالت کے لیے منتخب کرتا ہے۔ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ جو انہوں نے آگے بھیجا۔ وَمَا خَلْفَهُمْ جو انہوں نے پیچھے چھوڑا۔ یہ اس قول کی مثل ہے۔ اِنَّا نَحْنُ نُحْيِ الْمَوْتٰى وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا (یٰسین:12) جو انہوں نے آگے بھیجے۔ وَاٰثَارَهُمْ جو پیچھے چھوڑے۔ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۷۶﴾۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۷۷﴾

''اے ایمان والو! رکوع کرو اور سجدہ کرو اور عبادت کرو اپنے پروردگار کی اور (ہمیشہ) مفید کام کیا کرو تاکہ تم (دین و دنیا میں) کامیاب ہو جاؤ''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا، سورت کے آغاز میں گزر چکا ہے کہ اس سورت کو دو سجدوں کے ساتھ فضیلت دی گئی ہے یہ دوسرا سجدہ ہے۔ امام مالک اور امام ابو حنیفہ اس سجدہ کو واجبی سجود سے شمار نہیں کرتے کیونکہ رکوع، سجود کے ساتھ متصل ہے اس سے مراد فرضی نماز ہے۔ رکوع اور سجود کو بطور تشریف نماز کے لیے خاص کیا۔ رکوع و سجود کے متعلق وضاحت سے سورۂ بقرہ میں گفتگو گزر چکی ہے۔ والحمد للہ وحدہ۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم کی پیروی کرو۔ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ اور واجبات کے علاوہ بھی نیکی کے افعال کرو۔

وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ۭ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ۭ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ۭ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ڏ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَاۗءَ عَلَي النَّاسِ ښ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ۭ هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ﴿۷۸﴾

''اور (سرتوڑ) کوششیں کرو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جس طرح کوششیں کرنے کا حق ہے، اس نے چن لیا ہے تمہیں (حق کی پاسبانی اور اشاعت کے لیے) اور نہیں روا رکھی اس نے تم پر دین کے معاملہ میں کوئی تنگی (پیروی کرو) اپنے باپ حضرت ابراہیم کے دین کی اسی نے تمہارا نام مسلم (سر اطاعت خم کرنے والا) رکھا ہے اس سے پہلے اور اس قرآن میں بھی تمہارا یہی نام ہے تاکہ ہو جائے رسول (کریم) گواہ تم پر اور تم گواہ ہو جاؤ لوگوں پر پس (اے دین حق کے علمبردارو!) صحیح صحیح ادا کیا کرو نماز اور ادا کرو زکوٰۃ اور مضبوط پکڑ لو اللہ تعالیٰ (کے دامن رحمت) کو، وہی تمہارا کارساز ہے پس وہ بہتر کارساز ہے اور بہتر مدد فرمانے والا ہے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ، بعض علماء نے فرمایا: اس سے مراد کفار سے جہاد ہے۔ بعض علماء نے

فرمایا: اس سے تمام اوامر کی اطاعت کرنے اور تمام نواہی سے باز رہنے کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں خواہش نفس کورد کرنے میں اپنے نفسوں سے جہاد کرو اور شیطان کے وسوسوں کو دور کرنے میں شیطان سے جہاد کرو اور ظالموں کے ظلم کو روکنے کے لیے ظالموں سے جہاد کرو اور کافروں کے کفر کو روکنے کے لیے کافروں سے جہاد کرو۔ ابن عطیہ نے کہا: مقاتل نے کہا یہ آیت منسوخ ہے اور اس کی ناسخ فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ (التغابن: 16) ہے اسی طرح ھبۃ اللہ نے کہا: حَقَّ جِهَادِهٖ اور دوسری آیت میں حَقَّ تُقٰتِهٖ (آل عمران: 102) ان اوامر میں استطاعت کی طرف تخفیف کے ساتھ منسوخ ہیں اور نسخ کی تقدیر کی ضرورت نہیں کیونکہ حکم کی ابتدا میں بھی یہی مراد ہے کیونکہ حَقَّ جِهَادِهٖ سے حرج اٹھائی گئی ہو۔ سعید بن مسیب سے مروی ہے فرمایا: نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تمہارا بہتر دین آسان دین ہے'' (1)۔ ابو جعفر نحاس نے کہا: یہ وہ چیز ہے جس میں نسخ کا واقع ہونا جائز نہیں کیونکہ یہ انسان پر واجب ہے جیسا کہ حضرت حیوہ بن شریح نے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس سے جہاد کرتا ہے'' (2)۔ اسی طرح ابو غالب نے حضرت ابوامامہ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: کونسا جہاد افضل ہے؟ یہ سوال اس نے جمرہ اولیٰ کے پاس کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا جواب نہ دیا پھر دوسرے جمرہ کے پاس یہی سوال کیا تو آپ نے جواب نہ دیا پھر جمرہ عقبہ پر یہی سوال کیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''وہ سائل کہاں ہے؟'' اس نے کہا: میں حاضر ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ظالم حکمران کے سامنے کلمہ عدل کہنا'' (3)۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: هُوَ اجْتَبٰىكُمْ یعنی اپنے دین کے دفاع اور اپنے امر کے التزام کے لیے اس نے تمہیں چن لیا ہے یہ مجاہد کے امر کی تاکید ہے یعنی تم پر جہاد کرنا واجب ہے کیونکہ اس نے تمہیں چن لیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ اس میں تین مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مِنْ حَرَجٍ، یعنی کوئی تنگی نہیں۔ سورۂ انعام میں یہ گزر چکا ہے۔ اس آیت میں بہت سے احکام داخل ہیں یہ وہ ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو خاص فرمایا۔ معمر نے قتادہ سے روایت کیا ہے فرمایا: اس امت کو ایسی تین چیزیں عطا کی گئی ہیں جو سوائے نبی کے کسی کو عطا نہیں کی گئیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا جاتا ہے: اذهب فلا حرج عليك تم جاؤ تم پر کوئی تنگی نہیں اور اس امت کو کہا گیا: وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ نبی اپنی امت پر گواہ ہوتا ہے اور اس امت کو کہا گیا: وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ نبی کو کہا جائے گا: سَلْ تُعْطَه تم مانگو تمہیں دیا جائے گا۔ اس امت کو کہا گیا: ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ (المومن: 60)

مسئلہ نمبر 2۔ وہ حرج جو اللہ تعالیٰ نے اٹھائی ہے اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ عکرمہ نے کہا: وہ دو دو، تین تین اور چار چار عورتوں سے نکاح کا حلال ہونا اور لونڈیوں کا حلال ہونا ہے۔ بعض نے کہا: نماز قصر اور مسافر کے لیے روزہ افطار کرنا ہے اور اشارہ سے نماز پڑھنا جو رکوع و سجود پر قادر نہ ہو، اندھے، لنگڑے، مریض اور نادار شخص سے جہاد کا ساقط کرنا ہے اور ان

1۔ مسند امام احمد، حدیث نمبر 15936　　2۔ جامع ترمذی، کتاب فضل الجہاد، من مات مرابطا، جلد 1، صفحہ 195

3۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، الأمر بالمعروف والنہی عن المنکر، صفحہ 299۔ ایضاً حدیث 4001، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

سختیوں کو ختم کرنا ہے جو بنی اسرائیل پر تھیں ان اشیاء میں سے اکثر کی تفصیل گزر چکی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حسن بصری سے مروی ہے کہ فطر، اضحیٰ اور روزے میں چاندوں کی تاخیر و تقدیم ہے۔ جب کوئی جماعت ذی الحجہ کے چاند میں غلطی کر جائے پھر ایک دن عرفہ سے پہلے انہیں آگاہی ہو جائے یا وہ دسویں کے دن پر آگاہ ہو جائیں تو ان کے لیے جائز ہے۔ اس میں اختلاف ہے جو ہم نے موطا کی شرح المقتبس میں بیان کیا ہے اور جو ہم نے ذکر کیا ہے وہ صحیح ہے۔ اسی طرح فطر، اضحیٰ کا مسئلہ ہے جیسا کہ حماد بن زید نے ایوب سے انہوں نے محمد بن منکدر سے انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرمایا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تمہاری عید اسی دن ہے جس دن تم افطار کرتے ہو اور تمہاری قربانی کا دن وہ ہے جس میں تم قربانیاں کرتے ہو'' (1)۔ اس حدیث کو ابو داؤد اور دارقطنی نے روایت کیا ہے اس کے الفاظ وہ ہیں جو ہم نے ذکر کیے ہیں یعنی جہاد کرو جس میں تمہیں کوئی حرج لاحق نہ ہو۔ ائمہ نے روایت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دسویں کے دن کی چیزوں کے متعلق پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر تقدیم و تاخیر کے جواب میں فرمایا: افعل ولا حرج تم کرو کوئی حرج نہیں۔

مسئلہ نمبر 3۔ علماء نے فرمایا: حرج اس سے اٹھائی گئی ہے جو منہاج شریعت پر قائم رہا ہے۔ رہے مال سلب کرنے والے، چور، اصحاب حدود تو ان پر حرج ہے۔ یہ وہ ہے جنہوں نے دین سے مفارقت کر کے حرج کو اپنے اوپر لاگو کیا اور شریعت میں اس سے بڑی حرج نہیں کہ اللہ کے راستہ میں دو شخصوں کے لیے ایک شخص کے ثبوت کا الزام ہے، نیز یقین کی صحت کے ساتھ اور عزم کی عمدگی کے ساتھ کوئی حرج نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مِلَّةَ اَبِيْكُمْ زجاج نے کہا: اپنے باپ حضرت ابراہیم کے دین کی اتباع کرو۔ فراء نے کہا: کاف کے حذف کی تقدیر پر منصوب ہے گویا فرمایا: كَمِلَّةِ ابيكم۔ بعض علماء نے کہا: اپنے باپ حضرت ابراہیم کے فعل کی طرح خیر کے اعمال کرو فعل کو ملت کے قائم مقام رکھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام تمام عربوں کے باپ ہیں۔ بعض نے کہا: یہ خطاب تمام مسلمانوں کو ہے اگرچہ تمام آپ کی اولاد سے نہیں ہیں کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حرمت مسلمانوں پر اس طرح ہے جس طرح باپ کی حرمت بیٹے پر ہوتی ہے۔ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ مِنْ قَبْلُ، ابن زید اور حسن نے کہا: هو ضمیر کا مرجع حضرت ابراہیم ہے۔ معنی یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ تمہارا نام لیا ہے۔ وَفِيْ هٰذَا اس کے حکم میں کہ جس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی وہ مسلم ہے۔ ابن زید نے کہا: رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ (البقرہ: 128) نحاس نے یہ قول عظماء امت کے قول کے مخالف ہے۔ علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے فرمایا: اس سے پہلی یعنی پہلی کتب میں اور قرآن میں اللہ تعالیٰ نے تمہارا نام مسلم رکھا ہے، یہ مجاہد وغیرہ کا قول ہے۔ لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ تمہارے تبلیغ کرنے پر رسول گواہ ہو اور وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ تم لوگوں کے خلاف گواہی دو کہ ان کے رسولوں نے انہیں تبلیغ کی تھی جیسا کہ سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ۭ هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ اس پر تفصیلاً گفتگو گزر چکی ہے۔ الحمد للہ رب العالمین۔

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصیام، إذا أخطأ القوم الهلال، جلد 1، صفحہ 318